عبداللہ فارانی

ناشر

ایم آئی ایس پبلشرز
523، سی بلاک نزد مدینہ مسجد، آدم جی نگر۔ کراچی
فون: 021-4944448, 4931044
Web: www.mis4kids.com

نامِ کتاب: ائمۂ اربعہ قدم بقدم

مؤلف: عبداللہ فارانی

صفحات: 148

پہلا ایڈیشن: رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ / ستمبر 2008ء

ناشر: ایم آئی ایس پبلشرز

1۔ایم آئی ایس پبلشرز، 523 سی بلاک، آدم جی نگر، کراچی۔ 0321-2220104

2۔قرآن محل، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔0321-5123698

3۔محمد طارق، لاہور۔ 0321-4538727

4۔ منورالدین، چنیوٹ بازار، فیصل آباد۔0301-7141149

5۔ ادارہ اشاعت الخیر، حضوری باغ، ملتان۔0321-6355334

6۔معاویہ لائبریری، مچھلی بازار، بہاولپور۔0333-6367755

7۔ممتاز کتب خانہ، قصہ خوانی بازار، پشاور۔0300-5945640

8۔دینی اسلامی کتب خانہ، مانسہرہ۔ 0322-25717468

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	عرضِ ناشر	04
2	دو باتیں	05
3	امام ابو حنیفہؒ	07
4	امام مالکؒ	79
5	امام شافعیؒ	105
6	امام احمد ابن حنبلؒ	122

عرضِ ناشر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

بفضلہٖ تعالیٰ ایم آئی ایس پبلشرز کی طرف سے قارئین کرام کے لیے عبداللہ فارانی کی ایک اور کتاب یعنی سیرتِ ائمہ اربعہ پیشِ خدمت ہے۔

یہ کتاب فقہِ اسلامی کے چار مشہور ائمہ کرام یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالک، امام شافعیؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔

یہ حالات وواقعات جہاں ایک طرف ہمیں ہماری تاریخ کے سنہری ابواب سے آشنا کرتے ہیں، تو دوسری طرف ہمارے حالات وزمانے کے اعتبار سے راہِ عمل متعین کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اسلاف کرام کے یہ واقعات ہمیں دین کے لیے محنت، استقامت و جرأت کا سبق بھی دیتے ہیں اور آخرت سنوارنے کی دعوت بھی۔

عبداللہ فارانی کے منفرد اندازِ تحریر اور سلاست وروانی کے ساتھ یہ کتاب بچوں اور بڑوں کے لیے یکساں فائدہ مند ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں میں اخلاص پیدا فرمائیں اور انھیں قبول فرمائیں۔ آمین۔

والسلام فقط

ڈائریکٹر ایم آئی ایس

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ائمۂ اربعہ قدم بقدم آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور یہ دو باتیں میں عبداللہ فارانی کے نام سے لکھ رہا ہوں۔ اس لیے کہ ائمۂ اربعہ قدم بقدم میں نے نہیں، عبداللہ فارانی نے لکھی ہے۔

قدم بقدم کے عنوان کے تحت یہ میری تیسری کتاب ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ جب مشہور ہفت روزہ ''بچوں کا اسلام'' کے لیے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع کرنے لگا تو ذہن میں سوال اُبھرا، نام کیا ہوگا؟ جواب بھی فوراً ملا: ''سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قدم بقدم''۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس سلسلہ کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ فوری طور پر اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ کر ڈالا۔ کتاب منظرِ عام پر آئی تو اس کی فروخت نے نئے ریکارڈ قائم کیے۔ تقریباً چھ ماہ میں چار ایڈیشن فروخت ہوگئے۔

ادھر میں ''بچوں کا اسلام'' میں ''خلافتِ راشدہ قدم بقدم'' کا سلسلہ شروع کر چکا تھا۔ چنانچہ یہ سلسلہ بھی کتابی شکل میں شائع ہو۔ اور اب آپ ائمۂ اربعہ قدم بقدم اپنے ہاتھوں میں دیکھ رہے ہیں۔

لفظ ''قدم بقدم'' کچھ ایسا مقبول ہوا کہ اب کئی پبلشرز حضرات اس عنوان کے تحت مجھ سے مختلف کتابیں لکھوانے کی فرمائش کر چکے ہیں۔ اور میں وقت کی کمی کا عذر کر رہا ہوں۔

اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی شان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ائمہ کرام رحمہم اللہ کی برکات ہیں۔

اس کے ساتھ ہی بچوں کا اسلام میں "عمرِ ثانی قدم بقدم" کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ اب یہ بھی جلد کتابی شکل میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔

ایم آئی ایس پبلشرز ایک اور سیریز مجھ سے لکھوا رہے ہیں، اور اس کا نام ہے: "انبیاء کرام (علیہم السلام) قدم بقدم"۔

بس آپ قدم بقدم ساتھ چلیں، انشاء اللہ بہت سی کتابیں قدم بقدم آپ کو ملتی رہیں گی۔

والسلام

عبداللہ فارانی

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

فارس کا ایک شخص زوطی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس کی گود میں ایک بچہ تھا۔اس نے اپنے بچے کو آپ کی گود میں دے دیا، تا کہ آپ اس کے لیے دعا فرما دیں۔آپ نے شفقت فرمائی اور نہ صرف اس بچے کے لیے دعا فرمائی، بلکہ اس کی اولاد کے حق میں بھی دعا فرمائی۔

اس بچے کا نام ثابت تھا۔ثابت کے ہاں سن 80 ہجری میں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ثابت نے اپنے بیٹے کا نام نعمان رکھا۔

اس طرح حضرت نعمان بن ثابت پیدا ہوئے۔آج ایک دنیا انھیں امام اعظم کے لقب سے جانتی ہے۔ابوحنیفہ آپ کی کنیت ہے۔

آپ کی پیدائش کے وقت چند صحابہ کرام ابھی حیات تھے۔ان کے نام حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تو بہت بڑے اور مشہور ترین صحابہ میں سے ہیں، اور آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔آپ نے سن 93 ہجری میں وفات پائی۔حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے سن 91 ہجری میں انتقال کیا۔حضرت

ابوالطفیل رضی اللہ عنہ تو سن 100 ہجری تک زندہ رہے۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے دور میں مُلکی حالات نہایت خوفناک تھے۔ خلیفہ عبدالملک کی طرف سے اس وقت عراق کا گورنر حجاج بن یوسف تھا۔ حجاج بن یوسف نے ہر طرف قیامت مچا رکھی تھی۔ اس کے ظلم کا دور دورہ تھا۔ حجاج بن یوسف کے ظلم کا نشانہ بننے والے زیادہ تر عالم اور فاضل لوگ تھے۔

حجاج کے ظلم کی مثال دیتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب مل کر اپنے اپنے زمانے کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم ان سب کے مقابلے میں صرف حجاج بن یوسف کو پیش کریں تو پلہ حجاج بن یوسف کا بھاری ہوگا۔ مطلب یہ کہ وہ اس قدر ظالم تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عالم چھپتے پھرتے تھے۔ مطلب یہ کہ علمی سرگرمیاں دب کر رہ گئی تھیں۔ اسلام کی روحانی برکتیں جیسے اڑ گئی تھیں۔ جتنے بڑے عہدوں پر لوگ تھے، اتنے ہی وہ ظالم تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''اس وقت ایسا لگتا ہے گویا ساری دنیا ظلم سے بھر گئی ہو۔''

مطلب یہ کہ ایسے دور میں تعلیمی سرگرمیاں بالکل ماند پڑ چکی تھیں... اگرچہ سلسلہ بالکل بند نہیں ہوا تھا... قرآن اور حدیث کی درس گاہیں موجود تھیں۔

پھر ایسا ہوا کہ سن 95 ہجری میں حجاج بن یوسف مر گیا۔ خلیفہ ولید نے بھی سن 6 ہجری میں وفات پائی۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنے۔ ان کے بارے میں تاریخ لکھنے والے کہتے ہیں کہ بہت اچھے انسان تھے۔ انھوں نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو سلطنت کا مشیر بنایا... اور مرتے وقت

وصیت لکھی:

''میرے بعد عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنالیا جائے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت نے ملک کو عدل وانصاف سے بھر دیا۔ خیر وبرکت کی روح پیدا ہوگئی۔ جن لوگوں نے شاہی جاگیروں پر قبضہ کر رکھا تھا، ان سب سے وہ جاگیریں واپس حاصل کیں، جہاں جہاں ظالم گورنر اور دوسرے امراء تھے، ان سب کو معزول کر دیا، ان تمام کاموں سے بڑھ کر یہ کام کیا کہ اسلامی علوم کو رونق بخشی۔ آپ نے امام زہری رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ حدیثوں کو جمع کریں۔ یہ مجموعہ تیار ہوا تو ممالکِ اسلامیہ میں اس کی نقلیں بھجوائیں۔

یہ تفصیل بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ولید اور حجاج بن یوسف کے دور تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ نہ اس قسم کے مواقع حاصل تھے۔ باپ دادا تاجر تھے، لہٰذا آپ نے بھی تجارت شروع کر دی اور اپنی ذہانت سے تجارت کو بہت ترقی دی... لیکن سلیمان کے عہد میں جب تعلیم کے میدان نظر آنے لگے تو آپ کے دل میں بھی تحریک پیدا ہوئی۔

ایک روز آپ بازار سے گزر رہے تھے۔ ایسے میں آپ امام شعبی رحمہ اللہ کے مکان کے سامنے سے گزرے۔ یہ کوفے کے مشہور امام تھے۔ ان کی نظر امام صاحب پر پڑی تو اشارے سے انھیں قریب بلالیا اور پوچھا:

''نوجوان! کہاں جارہے ہو؟''

آپ نے اس سوداگر کا بتایا جس سے ملنے کے لیے جارہے تھے۔ اس پر امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میرا مطلب ہے، تم پڑھتے کس سے ہو؟''

امام صاحب نے جواب دیا:

''افسوس! کسی سے بھی نہیں۔''

اب امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مجھے تم میں قابلیت کے جوہر نظر آ رہے ہیں، تم علما کی صحبت میں بیٹھا کرو۔''

امام شعبی کی یہ نصیحت ان کے دل پر اثر کر گئی۔ اب آپ پوری طرح علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔

کوفہ میں اس وقت مذہبی روایتیں عام تھیں، مسائل پر بات ہوتی تھی۔ ایک عام آدمی بھی علما کی مجلس میں بیٹھ کر یہ باتیں سن سکتا تھا۔ امام ابوحنیفہ بھی ان مجالس میں بیٹھنے لگے اور پھر وہ نام پیدا کیا کہ بڑے بڑے علما ان سے بحث کرنے سے گھبرانے لگے۔

تجارت کی غرض سے امام صاحب کو اکثر بصرہ جانا پڑتا تھا۔ یہ شہر ایسی بحثوں کا کھلا میدان تھا۔ مختلف فرقوں میں بٹ جانے والے لوگ وہاں جمع ہوتے تھے اور بحث مباحثے کرتے تھے۔ امام صاحب نے جب بھی وہاں بحث میں حصہ لیا، آپ ہمیشہ ان پر غالب رہے، سب کو لاجواب کیا... لیکن آخر اس قسم کے جھگڑوں کو چھوڑ چھاڑ کر آپ فقہ کی طرف مائل ہو گئے اور پھر تمام عمر فقہ پر صرف کر دی... تاہم کبھی کبھی آپ کو مناظرہ کرنا پڑ جاتا تھا... آگے چل کر آپ کے کچھ مناظروں کا حال بھی آپ کو بتائیں گے ان شاء اللہ!

شروع میں آپ نے خوب مناظرے کیے۔ پھر یک دم ترک کر دیے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے خیال آیا، بڑے بڑے صحابہ اس قسم کی بحثوں سے الگ رہا کرتے تھے، حالانکہ ان باتوں کی حقیقت ان سے زیادہ کون جان سکتا تھا، صحابہ کرام کی توجہ جس قدر تھی، فقہی مسائل کی طرف تھی۔ یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔

اس زمانے میں ایک عورت نے آکر آپ سے یہ مسئلہ پوچھا:

''ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینا چاہتا ہے، وہ کیسے دے؟''

آپ اسے خود یہ مسئلہ نہ بتا سکے، چنانچہ اس عورت سے فرمایا:

''امام حماد کے درس کا حلقہ یہاں سے قریب ہی ہے۔ ان سے پوچھ لیں اور جو کچھ وہ بتائیں، مجھے بھی بتا دیں۔''

وہ عورت چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئی۔ امام حماد نے جو جواب بتایا تھا، آپ کو سنا دیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بہت عبرت ہوئی۔ اسی وقت اٹھا اور امام حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا۔

امام حماد کوفہ کے مشہور امام اور اپنے وقت کے استاد تھے۔ انھوں نے صحابیِ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث سنی تھیں۔ بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ اس وقت کوفہ میں انھی کا مدرسہ اہم تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فقہ کا جو سلسلہ چلا تھا، وہ اسی مدرسے تک چلا آیا تھا۔ امام ابوحنیفہ نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ اس حلقے میں بیٹھنے لگے۔

اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلے پر زبانی گفتگو کیا کرتا تھا۔ شاگرد اسے یاد کر لیتے تھے یا لکھ لیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے روز حلقے کے بائیں طرف بیٹھے۔ شروع میں طلبا کو بائیں طرف ہی بٹھایا جاتا تھا، لیکن چند روز ہی میں امام حماد نے جان لیا کہ ان کے درس کے حلقے میں ایک شخص ایسا ہے جس کی برابری کوئی نہیں کر سکتا، چنانچہ آپ نے حکم دیا:

''نعمان سب سے آگے بیٹھا کریں۔''

امام صاحب دو برس تک امام حماد کے حلقے میں بیٹھتے رہے۔ اس کے بعد خیال آیا کہ اب خود درس کا سلسلہ شروع کروں، لیکن استاد کے ادب کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے... پھر

اتفاق ایسا ہوا کہ امام حماد کا ایک رشتے دار فوت ہو گیا۔ وہ بصرہ میں رہتا تھا۔ امام حماد کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں تھا، چنانچہ انھیں جانا پڑا۔ اس وقت امام حماد نے امام صاحب کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

استاد کی عدم موجودگی میں آپ نے درس کا سلسلہ شروع کیا۔ ایسے میں بہت سے مسائل ایسے سامنے آئے جن میں استاد سے کوئی روایت نہیں تھی۔ چنانچہ اپنی سمجھ کے مطابق (یعنی اپنے اجتہاد سے) ان مسئلوں کے جواب دیتے رہے۔ احتیاط یہ کی کہ ان مسائل کو ایک کاغذ پر لکھتے چلے گئے۔

دو ماہ بعد امام حماد واپس کوفہ آئے تو آپ نے وہ کاغذ انھیں پیش کر دیا... اور بتا دیا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔

وہ کل ساٹھ مسئلے تھے۔ ان میں سے چالیس کے جواباتِ آپ نے بالکل درست دیے تھے۔ بیس میں امام حماد نے غلطیاں نکالیں۔ اس وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فیصلہ کیا:

"جب تک امام حماد زندہ ہیں، ان کی شاگردی کا تعلق ختم نہیں کروں گا۔"

امام حماد نے سن 120 ہجری میں انتقال کیا۔ اس دوران اگرچہ امام صاحب نے اور بزرگوں سے بھی فقہ کی تعلیم حاصل کی، لیکن اس فن میں آپ خاص شاگرد امام حماد ہی کے ہیں اور اسی لیے آپ ان کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

امام حماد کی شاگردی کے دور میں آپ نے حدیث کی طرف خاص طور پر توجہ دی، کیونکہ حدیث کے بغیر فقہ کی تحقیق ہو ہی نہیں سکتی۔

اس وقت اسلامی ملکوں میں احادیث کے درس خوب زور شور سے جاری تھے۔ سند اور روایت کے دفتر کھلے تھے۔ دس ہزار کے قریب صحابہ کرام نے اسلامی ملکوں میں پھیل کر یہ سلسلہ شروع کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کے بعد یہ کام تابعینِ عظامؒ نے جاری رکھا تھا۔ ان کے سلسلے

تمام اسلامی ملکوں میں پھیل گئے تھے۔ ان میں خاص طور پر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، بصرہ اور کوفہ زیادہ اہم تھے۔

شہر کوفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر بسایا گیا تھا۔ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

''مسلمانوں کے لیے ایک شہر بساؤ۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے 17 ہجری میں شہر کی بنیاد رکھی۔ سادہ قسم کے گھر تعمیر کروائے۔ جونہی گھر تعمیر ہوئے، عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر ان میں آباد ہونے لگے۔ یہاں تک کہ جلد ہی یہ شہر کوفہ عرب کا ایک خطہ بن گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے روزینے مقرر فرمائے۔ یہ لوگ وہاں جا کر آباد ہوئے تھے۔ پھر جلد ہی اس شہر میں وہ چہل پہل نظر آنے لگی کہ حضرت عمرؓ اس شہر کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''یہ شہر اللہ کا علم ہے، ایمان کا خزانہ ہے اور عرب کا سرمایہ ہے۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو اپنے دورِ خلافت میں دارالخلافہ بنایا۔ اس شہر میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام بھی آ کر آباد ہوئے، ان میں سے چوبیس صحابہ کرام ایسے تھے جنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بدر میں حصہ لیا تھا۔

یہ تھا وہ شہر جس میں حضرت امام ابوحنیفہ کا خاندان فارس سے آ کر آباد ہوا تھا... کوفے کی طرح بصرہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے آباد ہوا تھا... علم کے اعتبار سے یہ بھی کوفہ کے برابر کا شہر تھا... یہ دونوں شہر مکہ اور مدینہ کی طرح اسلامی علوم کے گھر خیال کیے جاتے تھے۔

یہ تفصیل آپ کو اس لیے بتادی کہ بعض حضرات کوفہ شہر کا نام بھی برے برے منہ بنا کر

لیتے ہیں۔

حضرت حسن بصری، محمد بن سیرین اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ جیسے لوگ ان شہروں کے رہنے والے تھے۔

حدیث کے امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

''مناسک کے لیے مکہ، قرأت کے لیے مدینہ اور حلال وحرام اور فقہ کے لیے کوفہ ہے۔''

ہم بات کر رہے تھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درس کے حلقے کی۔ آپ نے امام حماد کے درس کو ہی کافی نہیں سمجھا۔ یہ دور وہ تھا جب کہ ابھی احادیث کی کتب ترتیب نہیں دی گئی تھیں... لہٰذا امام صاحب نے کوفے میں حدیث کا کوئی استاد نہ چھوڑا جس کے حلقے میں آپ نہ بیٹھے ہوں... اور ان سے احادیث نہ سنی ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ 93 کے قریب اساتذہ سے آپ نے احادیث مبارکہ کی سماعت کی۔ ان میں سے 29 حضرات تو خاص کوفے کے تھے اور ان میں سے اکثر تابعی تھے۔ ان میں امام شعبی، امام اعمش جیسے بڑے محدث شامل ہیں۔

اور امام شعبیؒ تو وہی بزرگ ہیں جنھوں نے امام صاحب کو گزرتے ہوئے دیکھ کر روک لیا تھا اور آپ سے فرمایا تھا۔

''تم علم حاصل کرو۔''

امام شعبی رحمہ اللہ وہ شخصیت ہیں جنھوں نے پانچ سو صحابہ کرام کو دیکھا تھا۔ امام زہری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے۔

''عالم تو چار ہیں۔ مدینہ میں ابن مسیب، بصرہ میں حسن، شام میں مکحول اور کوفہ میں شعبی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے امام شعبی کو ایک مرتبہ مغازی کا درس دیتے سنا تو فرمایا:

''واللہ! یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے۔''

مطلب یہ کہ جس شخص نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی، وہ اتنی بڑی شخصیت تھے۔

امام صاحب کے اساتذہ میں سے ایک قتادہ رحمہ اللہ تھے۔ یہ مشہور تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے احادیث سنی تھیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے:

''ان کا حافظہ عجیب تھا۔ کوئی حدیث سن لیتے تو اسے بالکل اسی طرح سنا دیتے۔ ایک لفظ بھی ادھر سے اُدھر نہ ہوتا۔'' ان کے بارے میں عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے۔

''یہ مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن مسیب سے فقہ اور حدیث پڑھتے تھے۔ ایک دن حضرت سعید نے فرمایا، تم ہر روز بہت سے سوالات پوچھتے ہو، تمھیں ان میں سے کچھ یاد بھی رہتا ہے؟''

جواب میں انھوں نے کہا:

''جی ہاں! کیوں نہیں، ایک ایک حرف یاد ہے۔''

اور پھر انھوں نے تمام سوالات کے جوابات سنا ڈالے۔ حضرت سعید بن مسیب بہت حیران ہوئے اور فرمایا:

''اللہ نے تم جیسے لوگ بھی پیدا فرمائے ہیں۔''

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''کوئی شخص فقہ اور تفسیر دانی میں ان کے برابر ہو تو ہو، ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔''

امام صاحب کے ایک استاد حضرت شعبہ رحمہ اللہ تھے۔ انھیں دو ہزار احادیث یاد تھیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

''شعبہ علم الحدیث کے امیر المومنین ہیں۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔''

شعبہ نے 160 ہجری میں انتقال کیا۔ سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا:

''آج فنِ حدیث بھی مر گیا۔''

یہ امام شعبہ بھی امام صاحب کے استاد تھے اور انھیں امام صاحب سے خاص تعلق تھا۔ ان کی عدم موجودگی میں اکثر ان کی تعریف کرتے تھے۔ ان کی ذہانت اور سمجھ کا بار بار ذکر کرتے تھے۔

ایک بار انھوں نے حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں فرمایا:

''جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے، اسی طرح یقین سے کہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں۔''

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا:

''آپ کا امام ابوحنیفہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''شعبہ نے انھیں حدیث اور روایت کی اجازت دی ہے۔ اس کہ دنیا ہی کافی ہے، شعبہ آخر شعبہ ہیں۔''

اس ساری تفصیل کا مطلب یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ایسے اساتذہ ملے تھے۔ ان تمام اساتذہ سے آپ کو احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ لیکن سند حاصل کرنے کے لیے آپ کو

حرمین شریفین جانا تھا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اس وقت دینی علوم کے مرکز تھے۔ تاریخ کی کتب سے یہ پتا نہیں چلتا کہ امام صاحب نے کس سن میں حرمین شریفین کا پہلا سفر کیا۔ تاہم اندازہ ہے کہ ابتدائی دور میں کیا تھا۔ بہرحال جس زمانے میں آپ حرمین شریفین پہنچے، وہاں درس کے حلقوں کا بہت زور تھا، بہت سے استاد ایسے تھے جنھوں نے براہِ راست صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا۔ ان اساتذہ کی الگ الگ درس گاہیں قائم تھیں۔ ان میں حضرت عطاءؒ بن ابی رباح کا حلقہ درس سب سے زیادہ بڑا تھا۔ حضرت عطاء بن ابی رباح مشہور تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن زبیر، حضرت اسامہ بن زید، حضرت جابر ابن عبداللہ، حضرت زید بن ارقم، حضرت عبداللہ بن سائب، حضرت عقیل، حضرت رافع، حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث سنی تھیں۔

حضرت عطاءؒ فرمایا کرتے تھے:

''میں دو سو ایسے بزرگوں سے ملا ہوں جنھیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''عطاء بن ابی رباح کے ہوتے ہوئے لوگ مجھ سے مسائل نہ پوچھا کریں۔''

حج کے زمانے میں یہ اعلان کیا جاتا تھا:

''عطاء بن ابی رباح کے سوا کوئی شخص فتوے جاری نہ کرے۔''

امام اوزاعی، الزہری، عمر بن دینار رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے ائمہ ان کے درس کے حلقے سے نکل کر استاد کہلاتے تھے۔

جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، شاگردی کی غرض سے حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ کی

خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے امام صاحب سے پوچھا:

''تمھارا عقیدہ کیا ہے؟''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جواب میں عرض کیا:

''میں اسلاف کو برا نہیں کہتا، گناہ گار کو کافر نہیں سمجھتا، قضا اور قدر (تقدیر) کا قائل ہوں۔''

آپ کا یہ جواب سن کر حضرت عطا بن ابی رباح نے درس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی، چند ہی دن بعد حضرت عطاؒ پر آپ کی حقیقت کھل گئی۔ ان کی نظروں میں ان کا وقار بڑھتا چلا گیا۔ پھر ایسا ہونے لگا کہ جب امام صاحب درس کے حلقے میں جاتے تو حضرت عطاؒ دوسروں کو ہٹا کر انھیں اپنے بالکل قریب بٹھانے لگے۔

حضرت عطا بن ابی رباح سن 115 ہجری تک زندہ رہے۔ اس وقت تک امام صاحب جب بھی مکہ جاتے، ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے محدث حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے درس میں بھی شریک ہوتے رہے۔ ان سے بھی آپ نے حدیث کی سند لی۔

حضرت عکرمہؒ وہ شخصیت ہیں جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد تھے۔ انھوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے عکرمہ کی تربیت کی تھی۔ یہاں تک کہ انھیں اپنی زندگی ہی میں فتوے دینے کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ پھر یہ کہ حضرت عکرمہ نے صرف انھیں سے دین نہیں سیکھا تھا، بلکہ حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عقبہ بن عمر، حضرت صفوان، حضرت جابر اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی علم حاصل کیا تھا... اور فقہ کے مسائل پر تحقیق کی تھی۔ تقریباً ستر مشہور تابعین نے ان سے حدیث اور تفسیر سیکھی۔

امام شعبی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:

''قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھ کر کوئی نہیں رہا۔''

حضرت سعید بن جبیرؒ جو کہ تابعین کے سردار تھے، ان سے ایک شخص نے پوچھا:

''دنیا میں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے؟''

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''ہاں عکرمہ ہیں۔''

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے علاوہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حضرت سلیمان رحمہ اللہ اور حضرت سالم رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے اور حضرت سالم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں سے آپ نے احادیث کی سماعت کی۔

امام ابو حنیفہ نے تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ زندگی کے آخر تک قائم رکھا۔ اکثر حرمین شریفین جاتے اور مہینوں وہاں قیام فرماتے۔ حج کے دنوں میں اسلامی ملکوں کے ہر گوشے سے بڑے بڑے اہلِ علم اور اہلِ کمال آتے تھے۔ ان کا مقصد حج کے ساتھ دوسروں تک علم پہنچانا بھی تھا۔ امام صاحب اکثر ان لوگوں کی خدمت میں بھی بیٹھتے۔

امام اوزاعیؒ اور امام مکحولؒ شام کے عالم تھے۔ امام صاحبؒ نے ان دونوں حضرات سے مکہ ہی میں تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ اس وقت تک امام صاحب کی شہرت ان کے فقہ اور اجتہاد کی وجہ سے دور دور تک پھیل چکی تھی۔ ظاہری طور پر دیکھنے والوں نے تو امام صاحب کے بارے میں یہ تک مشہور کر دیا تھا کہ یہ شخص دین کے معاملے میں اپنی گھڑی ہوئی باتیں لوگوں کو بتاتا ہے۔

انھی دنوں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بیروت کا سفر کیا۔ یہ حضرت امام

ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ بیروت میں جب ان کی امام اوزاعی رحمہ اللہ سے پہلی ملاقات ہوئی تو انھوں نے پوچھا۔

''کوفے میں وہ کون شخص ہے جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہے اور جس کا نام ابوحنیفہ ہے؟''

حضرت عبداللہ بن مبارک نے یہ سوال سن کر کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن بعد پھر ان کی خدمت میں گئے تو چند صفحات ساتھ لے گئے۔ امام اوزاعی نے ان سے وہ صفحات لے لیے۔ سب سے اوپر لکھا نظر آیا۔

''نعمان بن ثابت نے کہا۔''

دیر تک دیکھتے رہے (مطالعہ کرتے رہے)، پھر پوچھا۔

''یہ نعمان بن ثابت کون بزرگ ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا:

''عراق کے ایک شخص ہیں۔ میں ان کی صحبت میں رہا ہوں۔'' (یعنی یہ نہ بتایا کہ یہی امام ابوحنیفہ ہیں)

امام اوزاعیؒ نے فرمایا:

''بڑے پائے کے بزرگ ہیں۔''

اب حضرت عبداللہ نے فرمایا:

''حضرت! یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ بدعتی کہہ رہے تھے۔''

امام اوزاعی کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اس پر انھیں افسوس ہوا۔ حج کے موقعے پر جب امام اوزاعی مکہ گئے تو امام صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ ان سے انھی مسائل کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ بھی وہاں موجود تھے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوزاعی حیرت زدہ رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے بولے:

''بلاشبہ میری بدگمانی بلاوجہ تھی۔ اس پر میں افسوس کرتا ہوں۔ اس شخص کے کمال نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔''

تاریخ سے ثابت ہے کہ امام صاحبؒ نے امام اوزاعی رحمہ اللہ کی بھی شاگردی کی۔

امام صاحب دوسری مرتبہ مدینہ منورہ گئے تو وہاں امام باقر رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ امام صاحب کے ایک ساتھی نے جب ان کا تعارف امام باقر رحمہ اللہ سے کرایا تو آپ نے امام صاحب سے فرمایا:

''اچھا تو تم ہی وہ شخص ہو جو اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہمارے دادا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو۔''

حضرت امام ابوحنیفہ نے نہایت ادب سے جواب دیا۔

''عیاذاً باللہ، حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے، آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں۔''

امام باقر رحمہ اللہ تشریف فرما ہوئے۔ پھر ان کے درمیان یوں گفتگو ہوئی:

''امام صاحب نے پوچھا؟''

''مرد ضعیف ہے یا عورت۔''

امام باقر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''عورت۔''

امام ابوحنیفہ نے پوچھا:

''وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟''

امام باقر نے فرمایا:

''مرد کا۔''

اب امام صاحب نے فرمایا:

''میں قیاس کرتا تو کہتا، عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے، کیونکہ عورت ضعیف ہے اور ظاہر قیاس کی بنا پر اسے زیادہ حصہ ملنا چاہیے، لیکن میں نے یہ نہیں کہا۔''

پھر انھوں نے پوچھا:

''نماز افضل ہے یا روزہ؟''

امام باقر نے فرمایا:

''نماز۔''

امام صاحب نے کہا:

''قیاس لحاظ سے تو پھر ایام کے دوران عورت کو نمازیں معاف نہیں ہونی چاہییں تھیں، روزے معاف ہوتے، لیکن میں تو روزے کی قضا ہی کا فتویٰ دیتا ہوں۔''

امام باقر رحمہ اللہ ان کے جواب سن کر اس قدر خوش ہوئے کہ امام صاحب کی پیشانی چوم لی۔

امام ابوحنیفہ ایک مدت تک حضرت امام باقر رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہے اور فقہ اور حدیث کی بہت سی نادر باتیں ان سے حاصل کیں۔ مخالفین بھی یہ بات مانتے ہیں کہ امام صاحب کی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ امام باقر رحمہ اللہ کا فیض تھا۔

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ امام باقر رحمہ اللہ کے فرزند تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔

یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک طالب علم کی حیثیت سے حرمین شریفین

کا سفر کیا تھا یا اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ سفر کا ارادہ کرتے تو ہر طرف یہ بات مشہور ہو جاتی اور لوگ کہتے سنائی دیتے:

''عراق کا فقیہ عرب جا رہا ہے۔''

جس شہر یا گاؤں سے آپ کا گزر ہوتا، ہزار ہا لوگ آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ ایک مرتبہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کے ہجوم کی حالت یہ تھی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ بچی۔ فقہ اور حدیث، دونوں کے جاننے والے لوگ جمع تھے۔ شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے پریشان ہو کر کہا:

''کاش ہمارے میزبان سے کوئی جا کر کہتا کہ اس ہجوم کا کچھ انتظام کریں۔''

ابو عاصم نبیل وہاں موجود تھے۔ انھوں نے عرض کیا:

''میں جا کر ان سے کہتا ہوں... لیکن چند مسئلے رہ گئے ہیں، پہلے وہ پوچھ لینا چاہتا ہوں۔''

امام صاحب نے انھیں اپنے پاس بلایا اور زیادہ توجہ سے ان کی باتیں سنیں۔ اس دوران میزبان کا خیال تک جاتا رہا۔ ابو عاصم سے فارغ ہوئے تو ایک اور طالب علم کی طرف متوجہ ہو گئے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ کافی دیر بعد خیال آیا تو بولے:

''وہ کسی صاحب نے میزبان کے پاس جانے کے لیے کہا تھا؟''

ابو عاصم وہیں موجود تھے، بولے۔

''میں نے کہا تھا۔''

آپ نے پوچھا:

''تو پھر گئے کیوں نہیں؟''

ابو عاصم ذرا شوخ انداز میں بولے۔

''میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں جب درس سے فراغت ہوگی، تب جاؤں گا۔''
اس پر امام صاحب نے فرمایا:
''عام بول چال میں یہ نہیں کہا جائے گا... ان الفاظ کے وہی معانی لیے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے۔''
یعنی آپ نے یہ کہا تھا کہ میں چلا جاتا ہوں... تو اس کا یہی مطلب لیا جائے گا کہ آپ کو اسی وقت جانا چاہیے تھا...
اس طرح امام صاحب نے ان باتوں میں بھی ایک مسئلہ بیان فرمادیا۔
ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کے لیے خصیب کے پاس گئے۔ محمد بن فضیل آپ کے ساتھ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جونہی خصیب نے آپ کو آتے دیکھا، اٹھ کھڑے ہوئے، نہایت تعظیم کے ساتھ لاکر اپنے برابر بٹھایا۔
حضرت عمرو بن دینار رحمہ اللہ مکہ معظمہ کے مشہور محدث تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی موجودگی میں کسی اور سے مخاطب نہیں ہوتے تھے۔
امام صاحب امام مالک رحمہ اللہ کے درس میں بھی بیٹھتے تھے، اگرچہ امام مالک عمر میں ان سے تیرہ سال چھوٹے تھے۔ آپ ان کے سامنے بہت باادب ہوکر بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ امام مالک بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔
حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بیان کرتے ہیں:
''میں امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایسے میں ایک بزرگ آئے۔ امام مالکؒ نے ان کی بہت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا۔ ان کے جانے کے بعد امام مالک نے پوچھا۔
''جانتے ہو، یہ کون تھے؟''
میں نے انکار میں سر ہلایا تو فرمایا:

''یہ ابوحنیفہ عراقی تھے۔ یہ اگر اس ستون کو سونے کا ستون ثابت کرنا چاہیں تو ایسا کرسکتے ہیں۔''

امام صاحب کے جانے کے بعد ایک اور صاحب آئے۔ امام مالک نے ان کی اس قدر تعظیم نہ کی جتنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کی تھی۔ ان کے جانے کے بعد فرمایا:

''یہ سفیان ثوری تھے۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اساتذہ بے شمار ہیں۔ ابوحفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ کم از کم چار ہزار اساتذہ سے آپ نے احادیث روایت کی ہیں۔ تاریخ اسلام میں اگرچہ یہ کوئی عجیب بات نہیں... اور بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں، جن کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار سے کم نہیں ہوگی اور ایسے تو بہت گزرے ہیں جن کے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کے اساتذہ کے نام بھی گنوائے ہیں۔ زیادہ اہم اور مشہور اساتذہ کے ناموں کا ہم ذکر کرچکے ہیں۔ اتنے زیادہ اساتذہ ہونے کے باوجود امام صاحب احادیث کی روایت کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے استاد امام حمادؒ کے ساتھ امام اعمشؒ سے ملاقات کے لیے گئے۔ چلتے چلتے مغرب کا وقت ہوگیا۔ وضو کے لیے پانی کی تلاش ہوئی مگر پانی نہ مل سکا۔ امام حمادؒ نے تیمم کرنے کے لیے کہا۔ ان کی بات کے جواب میں حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

''آخر وقت تک پانی ملنے کا انتظار کرنا چاہیے۔''

اتفاق کی بات کہ کچھ دور چل کر پانی مل گیا۔ سب نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ یہ پہلا موقع تھا جب امام صاحب نے استاد کی رائے سے اختلاف کیا۔

امام حماد کے ہوتے ہوئے امام ابوحنیفہ نے ایک فقیہ کا درجہ حاصل کرلیا تھا، لیکن ان کی موجودگی میں آپ نے اپنا الگ درس قائم نہ کیا۔ یعنی استاد کے احترام میں ایسا نہ کیا۔ خود

امام صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:

"امام حماد جب تک زندہ رہے، میں نے ان کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلائے۔"

یہ تھا استاد کا ادب۔ امام حمادؒ نے سن 120 ہجری میں وفات پائی۔ امام نخعی ان سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، اب ان کی وفات سے کوفہ میں گویا تاریکی پھیل گئی۔ امام حمادؒ نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا، لوگوں نے درس کی مسند پر انھی کو بٹھا دیا، لیکن ان کا رجحان فقہ کی طرف نہیں تھا... اس طرح موسیٰ بن کثیر کو مسند پر بٹھایا گیا۔ یہ امام حماد کے تجربہ کار شاگرد تھے۔ عمر کے لحاظ سے بڑے تھے، تاہم فقہ کے پوری طرح ماہر نہیں تھے۔ بزرگوں کی صحبت میں ضرور رہے تھے، یہی وجہ تھی کہ لوگوں پر ان کا خاص اثر تھا۔ چند روز تک ان کی وجہ سے درس کا حلقہ قائم رہا، لیکن پھر وہ حج کے لیے چلے گئے۔ اب تمام بزرگوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ وہ درس کی مسند سنبھالیں۔

نوجوانی کے عالم میں استاد کی عدم موجودگی میں وہ اس مسند پر بیٹھ چکے تھے... لیکن اب جب سب لوگوں نے ان سے درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

"نہیں! یہ بہت بڑی ذمے داری کا کام ہے۔"

جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو آپ کو ماننا پڑا، لیکن دل پھر بھی مطمئن نہیں تھا۔ انھی دنوں آپ نے خواب دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کھود رہے ہیں... یہ خواب دیکھ کر آپ گھبرا گئے، ڈر گئے اور خیال کیا کہ یہ ان کی نااہلیت کی طرف اشارہ ہے۔

اس زمانے کے تعبیر بتانے کے ماہر کو یہ خواب سنایا گیا تو انھوں نے فرمایا:

"اس سے مراد ایک مردہ علم کو زندہ کرنا ہے۔"

تعبیر سن کر آپ کو سکون اور اطمینان ہو گیا۔ اس خواب کا ذکر تمام محدثین و مؤرخین نے

کیا ہے۔ اب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے درس شروع کیا۔ شروع میں صرف امام حماد کے پرانے شاگرد آپ کے درس میں شریک ہوتے رہے، لیکن چند ہی روز میں آپ کے درس نے وہ شہرت حاصل کر لی کہ کوفہ کی اکثر درس گاہیں ختم ہوگئیں اور سب کے سب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درس میں شریک ہوگئے۔ پھر تو حالت یہ ہوئی کہ خود ان کے استاد مثلاً مسعر بن کدام اور امام اعمش رحمہ اللہ جیسے لوگ آپ سے مسائل معلوم کرنے لگے اور لوگوں کو ترغیب دینے لگے کہ امام ابوحنیفہ کے درس میں بیٹھا کرو۔

اور پھر حالت یہ ہوئی کہ اسپین کے علاوہ اسلامی دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہ رہا جو ان کی شاگردی میں نہ آیا ہو۔ جن جن مقامات کے لوگ ان کی خدمت میں پہنچے، ان سب کا شمار نہیں کیا جاسکتا، لیکن جن علاقوں کا نام خاص طور پر لیا گیا ہے، ان کے نام یہ ہیں (یعنی ان علاقوں کے لوگ آ آ کر امام صاحب کے درس میں بیٹھتے تھے):

مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، واسط، موصل، زبیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استر آباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، بخارا، سمرقند، صنعان، ترمذ، ہرات، نہتار، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ، حمص، مختصر یہ کہ جہاں جہاں تک اسلامی حکومتیں قائم تھیں، وہاں وہاں سے لوگ آ آ کر آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔

انہی دنوں خلیفہ مروان نے کوفہ کا گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ کو مقرر کر دیا۔ ان دنوں عراق میں فساد برپا تھا۔ گورنر یزید بن عمر فساد کو دور کرنے کا خواہش مند تھا۔ اس نے جب غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ نظامِ حکومت میں مذہبی لوگ شامل نہیں ہیں۔ اس نے سوچا، حکومت کو مذہبی ستونوں پر قائم کرنا چاہیے، چنانچہ اس نے عراق کے تمام فقہا کو بلا لیا۔ ان میں قاضی ابن ابی لیلیٰ، ابنِ شبرمہ، داؤد بن ہند رحمہم اللہ جیسے حضرات شامل تھے۔ گورنر نے بڑی بڑی

ملکی خدمات ان کے سپرد کیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بھی عہدہ دینا چاہا، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اس پر یزید نے قسم کھا کر کہا۔

''یہ عہدہ آپ کو منظور کرنا ہوگا۔''

آپ نے فرمایا:

''نہیں! میں یہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا۔''

یزید نے کہا:

''جبراً ایسا کراؤں گا۔''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے پھر بھی انکار کیا اور فرمایا:

''اگر یزید مجھ سے صرف یہ کہے کہ میں مسجد کے دروازے گن دوں تو میں اتنا بھی نہیں کروں گا، کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ یزید کسی مسلمان کے قتل کا حکم لکھے اور میں اس حکم پر مہر لگاؤں۔''

آپ کا جواب سن کر یزید طیش میں آ گیا۔ اس نے حکم دیا:

''ہر روز انہیں دس کوڑے لگائے جائیں۔''

اس ظالمانہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ آپ کو روزانہ دس کوڑے لگائے جانے لگے۔ امام صاحب بھی اپنی بات پر قائم رہے۔ آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو سیرت کے ساتھ حسن بھی عطا فرمایا تھا۔ قد درمیانہ تھا۔ گفتگو نہایت شیریں تھی۔ آواز بلند تھی۔ کتنا ہی پیچیدہ مضمون ہو، نہایت صفائی سے بیان کر سکتے تھے۔ خوش لباس تھے۔ عام طور پر قیمتی لباس پہنتے تھے۔

امام صاحب دوسرے علما سے مختلف تھے۔ ان کے زمانے کے علماء شاہی دربار سے وظیفے لیتے تھے اور اس بات کو عیب خیال نہیں کرتے تھے۔ امام صاحب شاہی دربار سے کوئی

وظیفہ نہیں لیتے تھے اور نہ اس کو اچھا سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امام صاحب کو حق بات کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی۔ انسان کتنا ہی صاف گو ہو، احسان وہ جادو ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔ امام صاحب نے تمام عمر کسی کا احسان نہ لیا۔ اسی لیے ان کی آواز کو کوئی دبا نہ سکا۔

ایک دن کوفہ کے گورنر ہبیرہ نے آپ سے کہا:

''آپ کبھی کبھی تشریف لے آیا کریں... تو یہ مجھ پر احسان ہوگا۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''میں تم سے مل کر کیا کروں گا۔ اگر تم مہربانی سے پیش آئے تو ڈر ہے، میں تمھارے دام میں نہ آ جاؤں۔ تمھارے پاس جو مال دولت ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں اور جو دولت میرے پاس ہے، اسے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔''

ایک روز خلیفہ منصور کا اپنی بیوی سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ بیوی کو شکایت تھی کہ خلیفہ انصاف نہیں کرتا۔ اس پر خلیفہ نے کہا:

''کسی کو منصف مقرر کر لو۔''

اس کی بیوی نے امام صاحب کو منصف مقرر کر دیا۔ خلیفہ نے اسی وقت امام صاحب کو بلا بھیجا۔ بیوی پردے کے دوسری طرف بیٹھ گئی، تاکہ امام صاحب جو فیصلہ کریں، اس کو وہ اپنے کانوں سے سن سکے۔

منصور نے امام صاحب سے پوچھا:

''شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے؟''

امام صاحب نے جواب دیا:

''چار!''

منصور نے پردے کی طرف منہ کر کے کہا:

"سنتی ہو؟"

پردے کے پیچھے سے آواز آئی۔

"ہاں! سن چکی ہوں۔"

اب امام صاحب نے منصور کو مخاطب کر کے کہا:

"مگر یہ اجازت اس شخص کے لیے خاص ہے جو عدل کرنے پر قادر ہو، ورنہ ایک سے زائد نکاح اچھا نہیں۔"

منصور چپ ہو گیا۔ امام صاحب گھر آ گئے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لیے حاضر ہوا۔ امام صاحب نے پوچھا:

"یہ کیا ہے؟"

اس نے بتایا:

"یہ منصور کی بیوی نے آپ کو ہدیہ بھیجا ہے اور کہا ہے کہ آپ کی کنیز آپ کو سلام کہتی ہے اور آپ کی حق گوئی کے لیے شکریہ ادا کرتی ہے۔"

امام صاحب نے خادم سے فرمایا:

"یہ درہم واپس لے جاؤ... خاتون سے کہنا، میں نے جو کچھ کہا، کسی غرض سے نہیں، بلکہ حق بات کہی ہے اور یہی میرا فرض تھا۔"

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت بڑے تاجر تھے۔ ان کی تجارت بہت پھیلی ہوئی تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ اتنی بڑی تجارت کے باوجود آپ کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ ناجائز طور پر ایک پیسہ بھی ان کے مال میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک مرتبہ حفص بن عبدالرحمٰن کو کپڑے کے کچھ تھان دیے۔ ساتھ میں یہ بھی کہلا بھیجا کہ فلاں تھان میں کچھ عیب ہے، خریدار کو بتا دینا۔

حفص کو ہدایت یاد نہ رہی اور تھان بیچ دیے... خریداروں کو اس تھان کا عیب نہ بتایا۔
امام صاحب کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھیں بہت افسوس ہوا۔ ان تمام تھانوں کو فروخت کرنے سے تیس ہزار درہم وصول ہوئے تھے، وہ سب کے سب خیرات کر دیے۔

ایک عورت خز کا ایک تھان آپ کے پاس لائی اور بولی:

''یہ میرا تھان فروخت کرا دیں۔''

امام صاحب نے پوچھا:

''آپ یہ کتنے میں فروخت کرنا چاہتی ہیں؟''

اس نے کہا:

''سو درہم کا فروخت کرنا چاہتی ہوں۔''

امام صاحب نے فرمایا:

''اس تھان کی یہ قیمت تو کم ہے۔''

اس نے کہا:

''تو پھر دو سو درہم میں فروخت کرا دیں۔''

آپ نے فرمایا:

''یہ تھان پانچ سو سے کم قیمت کا نہیں ہے۔''

یہ سن کر خاتون بہت حیران ہوئی۔ اس نے کہا:

''شاید آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔''

اس کی بات سن کر امام صاحب نے پانچ سو درہم اسے اپنے پاس سے دے دیے اور تھان رکھ لیا۔ اس قسم کے واقعات نے ان کی تجارت کو چار چاند لگا دیے۔

دراصل تجارت سے آپ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ آپ کے

جتنے دوست اور ملنے والے تھے، آپ نے ان سب کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ اپنے اساتذہ اور دوسرے عالموں کے لیے آپ نے اپنی تجارت کا ایک حصہ مقرر کیا ہوا تھا۔ اس سے جتنا نفع حاصل ہوتا، سال کے سال ان سب کو بھیجا جاتا تھا۔

آپ کا ایک عام طریقہ یہ تھا کہ گھر والوں کے لیے جتنی چیز بھیجتے، اتنی ہی علما کو بھجواتے۔ کوئی شخص ملنے کے لیے آجاتا تو اس کا حال پوچھتے۔ اگر وہ ضرورت مند ہوتا تو اس کی ضرورت پوری کرتے۔ شاگردوں میں کوئی تنگ دست نظر آتا تو اس کی گھریلو ضروریات پوری کرتے، تاکہ وہ اطمینان سے علم حاصل کر سکے۔ کتنے ہی ایسے تھے جو مالی مشکلات کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکتے تھے، لیکن امام صاحب کی وجہ سے انھوں نے علم حاصل کیا اور بڑے بڑے مرتبوں پر پہنچے۔ انھی میں ایک ان کے مشہور شاگرد امام ابو یوسفؒ بھی تھے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ ان میں سے ایک شخص ظاہری طور پر تنگ دست محسوس ہوا۔ جب سب لوگ رخصت ہونے لگے تو آپ نے اس سے فرمایا:

''تم ذرا ٹھہر جاؤ۔''

جب دوسرے لوگ چلے گئے تو اس سے فرمایا:

''جانماز اٹھاؤ۔''

اس نے جانماز اٹھائی تو نیچے درہموں کی ایک تھیلی نظر آئی۔ امام صاحب کا مطلب تھا، تم یہ تھیلی لے لو۔ اس پر اس شخص نے کہا:

''میں تنگ دست نہیں ہوں۔''

یہ سن کر امام صاحب بولے:

''تب پھر حالت ایسی نہ رکھو کہ دوسرے تمھیں تنگ دست خیال کریں۔''

ایک مرتبہ آپ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص مل گیا۔ اس

سے آپ کو اپنا کچھ قرض لینا تھا۔ اس نے آپ کو دور سے دیکھ لیا اور وہ کنی کترا کر نکلنے لگا۔
آپ نے اسے ایسا کرتے دیکھ لیا، لہٰذا پکارے:

''کہاں جاتے ہو؟''

وہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا:

''تم نے راستہ کیوں بدلا؟''

اس نے جواب دیا:

''مجھے آپ کے دس ہزار درہم دینے ہیں، میں ابھی تک ادا نہیں کر سکا... لہٰذا شرم کی وجہ سے راستہ بدل رہا تھا۔''

امام صاحب اس کی غیرت سے متاثر ہوئے، اس سے فرمایا:

''جاؤ! میں نے سب معاف کر دیا۔''

ایک بار حج کے سفر میں عبداللہ سہمی نامی شخص آپ کے ساتھ تھا۔ کسی مقام پر ایک بدو نے اسے پکڑ لیا اور امام صاحب کے سامنے کرتے ہوئے بولا:

''اس نے مجھ سے قرض لیا تھا... یہ میرا قرض ادا نہیں کرتا۔''

امام صاحب نے عبداللہ سہمی سے پوچھا:

''یہ کیا معاملہ ہے؟''

عبداللہ سہمی نے جواب دیا۔

''یہ غلط کہتا ہے۔''

اب آپ نے بدو سے کہا۔

''کتنے درہموں کا جھگڑا ہے۔''

اس نے جواب دیا:

''چالیس درہموں کا۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

''دنیا سے غیرت اٹھ گئی... اتنی سی بات پر جھگڑا ہو رہا ہے۔''

یہ کہا اور چالیس درہم اسے ادا کر دیے۔

ابراہیم بن عتبہ نے لوگوں سے قرض لے رکھا تھا۔ رقم چار ہزار درہم تھی۔ اسی بنیاد پر انھوں نے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک دوست نے انھیں مشورہ دیا۔

''ہم چندہ جمع کر لیتے ہیں اور اس طرح قرض ادا کر دیں گے۔''

تجویز منظور ہو گئی... خود تجویز بتانے والے نے چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ یہ صاحب امام صاحب کے پاس گئے۔ پوری بات بتائی تو آپ نے پوچھا:

''کل قرض ہے کتنا؟''

انھوں نے بتایا:

''چار ہزار درہم۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''اتنی سی رقم کے لیے دوسروں کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔''

یہ کہ کر آپ نے چار ہزار درہم انھیں دے دیے۔ آپ بہت بڑے تاجر تو تھے ہی، بہت دولت مند تو تھے ہی، عظمت اور شان کے مالک تو تھے ہی، لیکن اس کے ساتھ آپ میں انکساری اور عاجزی بھی بہت تھی۔ نرم مزاج اور بردبار بہت تھے۔ با اخلاق بہت تھے۔ ایک مرتبہ مسجدِ خیف میں تشریف فرما تھے۔ شاگرد اور آپ سے عقیدت رکھنے والے آپ کے گرد جمع تھے کہ ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس مسئلے کا مناسب جواب دیا۔ آپ کا جواب سن کر اس نے کہا۔

''حسن بصری نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''حسن نے غلطی کی۔''

لوگوں میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عقیدت رکھنے والا ایک شخص بھی موجود تھا۔ اسے یہ سن کر غصہ آ گیا۔ اس نے آپ کی شان میں سخت لفظ بولا، پھر کہا:

''آپ حسن کو خطا پر کہتے ہیں۔''

آپ کی شان میں گستاخی سن کر لوگ برہم ہو گئے۔ لوگوں نے چاہا، پکڑ کر اسے سزا دیں... لیکن آپ نے لوگوں کو روک دیا... لوگ رک تو گئے، مگر مجلس میں سناٹا طاری ہو گیا۔ آخر آپ نے فرمایا:

''ہاں! حسن نے غلطی کی... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو حدیث روایت کی ہے، وہ صحیح ہے۔''

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک روز میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا... ایک شخص نے آپ سے گستاخانہ انداز میں گفتگو شروع کی۔ امام صاحب نہایت نرم انداز میں جواب دیتے رہے، آپ کی نرم مزاجی سے وہ اور زیادہ تیز ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس نے کہا:

''تم زندیق ہو۔''

اس پر بھی آپ نے نرم لہجے میں فرمایا:

''اللہ تمہیں بخشے! وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت تم نے جو لفظ کہا، وہ صحیح نہیں ہے۔''

امام صاحب اپنے بارے میں خود فرماتے تھے:

''میں نے کبھی کسی پر لعنت نہیں کی۔ کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں

ستایا، کسی سے فریب نہیں کیا، کسی سے بدعہدی نہیں کی۔"

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام صاحب میں کچھ ناراضی تھی۔ ایک شخص نے آ کر کہا۔

"سفیان آپ کو برا کہہ رہے تھے۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"اللہ میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے، سچ یہ ہے کہ اگر حضرت ابراہیم نخعیؒ کے ہوتے ہوئے بھی سفیان اُٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا غم کرنا پڑتا۔"

ایک روز آپ مسجد میں درس دے رہے تھے۔ درس سننے والوں میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جسے آپ سے کچھ دشمنی تھی۔ اس نے بھری مجلس میں آپ کی شان میں نازیبا الفاظ کہہ دیے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ الفاظ سنے، اس کے باوجود اپنا درس جاری رکھا۔ شاگردوں کو بھی منع کر دیا کہ اس کی طرف توجہ نہ دیں۔

آپ درس سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلے تو وہ شخص پیچھے ہولیا اور جو منہ میں آتا رہا، بکتا رہا۔ امام صاحب اپنے گھر کے نزدیک پہنچے تو رک گئے اور اس کی طرف مڑ کر اس سے مخاطب ہوئے:

"بھائی! یہ میرا گھر ہے، کچھ باقی رہ گیا ہے تو وہ کہہ لو... کہیں میں اندر چلا جاؤں اور تمھیں مزید کچھ کہنے کا موقع نہ ملے۔"

ایک دن درس کا حلقہ قائم تھا۔ ایسے میں ایک نوعمر نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے اس کے سوال کا جواب دیا... تو وہ بولا:

"ابوحنیفہ! تم نے جواب میں غلطی کی۔"

حلقے میں ابوالخطاب جرجانی بھی موجود تھے۔ انھیں اس نوعمر پر بہت غصہ آیا۔ انھوں

نے حاضرین سے کہا۔

"تم کیسے بے حس لوگ ہو، امام صاحب کی شان میں ایک لونڈے نے گستاخی کی اور تمھیں ذرا غصہ نہیں آیا۔"

اس پر امام صاحب نے ابوالخطاب سے فرمایا:

"انھیں کچھ نہ کہو، میں جو یہاں بیٹھا ہوں تو اسی لیے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کردیں اور میں برداشت سے سنوں۔"

آپ کے محلے میں ایک موچی رہتا تھا۔ وہ بہت رنگین مزاج تھا۔ دن بھر مزدوری کرتا اور شام کو بازار سے گوشت اور شراب خرید کر لے آتا۔ اس کے دوست اس کے گھر میں جمع ہوتے۔ رات گئے تک دوستوں کے سامنے شراب اور گوشت کا دور چلتا۔ وہاں اشعار بھی پڑھے جاتے تھے۔

امام صاحب ذکراذکار کی وجہ سے رات کو بہت کم سوتے تھے۔ وہ ان کی بے ہودگیاں سنتے رہتے، لیکن اپنے اخلاق کی وجہ سے اس سے کچھ نہ کہتے۔ ایک رات شہر کا کوتوال ادھر آنکلا۔ وہ اس موچی کو پکڑ کر لے گیا اور قید خانے میں ڈال دیا۔

صبح کے وقت امام صاحب نے اپنے دوستوں سے کہا:

"آج رات ہمارے ہمسائے کی آوازیں نہیں آئیں۔"

انھیں بتایا گیا:

"اسے تو رات شہر کا کوتوال پکڑ کر لے گیا ہے۔"

آپ نے اسی وقت سواری منگوائی، لباس تبدیل کیا اور گورنر کے پاس پہنچ گئے۔ وہ عباسی دور تھا۔ خلیفہ منصور کی طرف سے عیسیٰ بن موسیٰ گورنر تھا۔ یہ شخص بہت سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔

اس کے کارندوں نے اسے اطلاع دی:

''امام ابوحنیفہ آپ سے ملنے کے لیے آرہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی اس نے درباریوں کو حکم دیا:

''آگے جا کر ان کا استقبال کرو... اور سواری پر ہی انھیں یہاں تک لاؤ۔''

جب آپ کی سواری قریب آئی تو وہ فوراً تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ نہایت ادب سے اپنے پاس بٹھایا... پھر بولا:

''آپ نے آنے کی کیوں زحمت کی... کوئی کام تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا... میں حاضر ہو جاتا۔''

آپ نے فرمایا:

''میرے پڑوسی کو رات کوتوال نے گرفتار کر لیا ہے... میں اس کی رہائی کے سلسلے میں آیا ہوں۔''

گورنر نے فوراً داروغۂ جیل کو حکم بھیجا۔ اس نے موچی کو اسی وقت رہا کر دیا۔ امام صاحب گورنر سے رخصت ہوئے تو موچی بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوا... مارے شرم کے اس کا برا حال تھا... اس سے کچھ کہا نہیں جا رہا تھا... بس اتنا کہہ سکا:

''آپ نے ہمسائیگی کا حق ادا کر دیا۔''

اس کے بعد اس نے عیش پرستی سے توبہ کر لی... اور امام صاحب کے درس کے حلقے میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس نے علمِ فقہ میں مہارت حاصل کر لی اور فقیہ کے لقب سے پکارا جانے لگا۔

امام صاحب کے والد آپ کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ والدہ ایک مدت تک زندہ رہیں۔ امام صاحب ان کی خوب خدمت کرتے تھے۔ ادھر وہ مزاج کی شکّی تھیں...

عام قسم کے واعظ کرنے والوں اور قصے سنانے والوں سے بہت عقیدت رکھتی تھیں۔ کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ ان کے ساتھ انھیں خاص عقیدت تھی۔ کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ امام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے یہ مسئلہ پوچھ کر آؤ۔ امام صاحب والدہ محترمہ کے حکم کی تعمیل میں عمرو بن ذر کے پاس جاتے اور ان سے کہتے:

''میں آپ سے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے آیا ہوں۔''

عمرو بن ذر کہتے:

''میں آپ کے سامنے کیسے زبان کھول سکتا ہوں؟''

امام صاحب فرماتے:

''والدہ کا حکم یہی ہے کہ آپ سے مسئلہ پوچھ کر انھیں بتاؤں۔''

پھر ایسا بھی ہوتا کہ عمرو کو اس مسئلے کا جواب معلوم نہ ہوتا تو وہ امام صاحب سے کہتے:

''آپ اس مسئلے کا جواب مجھے بتا دیں، میں وہی آپ کے سامنے دہرا دیتا ہوں۔''

کبھی والدہ ضد کرتیں:

''میں خود جا کر ان سے مسئلہ پوچھوں گی۔''

اس مقصد کے لیے وہ خچر پر سوار ہوتیں۔ امام صاحب خچر کی باگ پکڑ کر پیدل روانہ ہوتے۔ اب والدہ عمرو بن زر کے سامنے پہنچ کر ان سے مسئلہ بیان کرتیں اور جواب پوچھتیں۔

ایک روز والدہ نے امام صاحب سے کہا:

''مجھے یہ مسئلہ درپیش ہے... مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

امام صاحب نے فوراً مسئلے کا جواب بتا دیا۔ اس پر والدہ نے کہا:

''تمھاری سند نہیں۔ زرقہ تصدیق کریں تو مجھے اعتبار آئے گا۔''

اس پر امام صاحب والدہ کو زرقہ کے پاس لے گئے اور مسئلہ بیان کر دیا۔

زرقہ نے آپ سے کہا:

"آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں... آپ نے خود مسئلہ کیوں نہ بتا دیا؟"

امام صاحب نے کہا:

"میں نے اس مسئلے کا یہ جواب دیا تھا"

زرقہ بولے:

"آپ نے بالکل درست جواب دیا ہے۔"

یہ سننے کے بعد ان کی والدہ کا اطمینان ہوا اور گھر واپس آ گئیں۔ کوفے کے گورنر ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو قاضی مقرر کرنا چاہا تھا اور آپ نے انکار کر دیا تھا تو اس نے آپ کو کوڑے لگوانے شروع کیے تھے، اس وقت والدہ محترمہ زندہ تھیں۔ جب انھیں پتا چلا کہ ان کے بیٹے کو اس طرح کوڑے لگوائے جا رہے ہیں تو انھیں بہت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے:

"مجھے کوڑے لگنے کی تکلیف کی چنداں پروا نہیں، البتہ دکھ اس بات کا ہے کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔"

ایک روز مسجد میں بیٹھے تھے کہ کسی نے آ کر کہا:

"فلاں شخص چھت سے نیچے گر گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی آپ زور سے چیخ پڑے۔ شاگرد گھبرا گئے۔ آپ درس کے حلقے کو چھوڑ کر باہر نکل آئے اور ننگے پاؤں دوڑ پڑے... اس کے گھر پہنچے... اس کا حال پوچھا، اس سے ہمدردی سے پیش آئے اور جب تک وہ ٹھیک نہ ہوا، روزانہ صبح اس کے پاس جاتے، اس کی تیمارداری کرتے رہے۔

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے، ارادت مند بڑی تعداد میں جمع تھے۔ اتفاق سے ایک سانپ چھت سے گرا اور آپ کی گود میں آ رہا۔ تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے مگر آپ اسی طرح سکون سے بیٹھے رہے۔

آپ باتیں بہت کم کرتے تھے۔ غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہیں دیتے تھے۔ درس میں شاگرد نہایت آزادی سے بحث کرتے، آپ خاموشی سے سنا کرتے، جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور شاگرد کوئی فیصلہ نہ کر پاتے، تب آپ بات کرتے، ان کے درمیان فیصلہ کرتے۔ اس طرح سب کا اطمینان ہو جاتا۔

آپ غیبت سے مکمل طور پر پرہیز کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا اس پر بہت شکر ادا کرتے کہ ان کی زبان اس آلودگی سے پاک ہے۔ ایک دن کسی نے کہا:

''حضرت لوگ تو آپ کی شان میں نہ جانے کیا کچھ کہتے ہیں مگر آپ سے کبھی کسی کی برائی نہیں سنی۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔''

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا:

''ہم نے امام ابو حنیفہ کو کبھی کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا۔''

اس کے جواب میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ابو حنیفہ اتنے بے وقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو خود برباد کریں۔''

آپ قسم کھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ نے خود سے عہد کر لیا تھا کہ اگر اتفاقاً بھی یہ خطا ہو گئی تو ایک درہم بطور کفارہ ادا کروں گا۔ پھر ہوا یہ کہ بھول میں کسی موقعے پر قسم کھالی، اس کے بعد عہد کیا کہ درہم کے بجائے دینار دوں گا۔

یزید بن کیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے زمانے کے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ مسجد کے امام نے سورۂ زلزال پڑھی۔ لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے۔ میں ٹھہرا رہا۔ میں نے دیکھا، امام ابوحنیفہ بیٹھے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں اٹھ آیا کہ ان کے اوقات میں خلل نہ پڑے۔ صبح میں مسجد میں گیا تو انھیں اسی جگہ بیٹھے دیکھا۔ آپ بہت غمگین تھے۔ ڈاڑھی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی اور کہہ رہے تھے:

''اے وہ ذات جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی، دونوں کا بدلہ دے گا، اپنے اس غلام نعمان کو آگ سے بچانا۔''

ایک دن بازار میں چلے جا رہے تھے۔ آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر آ گیا۔ لڑکا چیخ اٹھا اور بولا:

''آپ اللہ سے نہیں ڈرتے؟''

امام ابوحنیفہ کو یہ سن کر غش آ گیا۔ ایک ساتھی نے آپ کو سنبھالا۔ ہوش میں آئے تو آپ سے کہا گیا:

''آپ ایک لڑکے کی بات سن کر بے ہوش ہو گئے۔''

آپ نے فرمایا:

''کیا خبر! اس کی آواز غیبی ہدایت ہو۔''

ایک روز معمول کے مطابق اپنی دکان پر گئے۔ ملازم نے کپڑے کے تھان نکال کر رکھے اور یہ جملہ کہا:

''اللہ ہمیں جنت دے۔''

امام صاحب رو پڑے۔ اس قدر روئے کہ کندھے تر ہو گئے۔ ملازم سے کہا:

"دکان بند کردو۔"

یہ کہا اور چہرے پر رومال ڈال کر کسی طرف نکل گئے۔ دوسرے دن دکان پر گئے تو ملازم سے فرمایا:

"بھائی ہم اس قابل کہاں کہ جنت کی آرزو کریں۔ یہی بہت ہے کہ اللہ کے عذاب میں گرفتار نہ ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

قیامت کے دن اگر مجھ سے مواخذہ نہ ہو، نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں۔"

"قیامت کے دن اگر مجھ سے حساب کتاب نہ ہو، نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں۔"

آپ روزانہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے تھے۔ دور دور سے لوگ فتوے پوچھنے کے لیے آئے ہوئے ہوتے تھے۔ انھیں فتوے لکھوا کر دیتے، پھر فقہ کی تدوین کا کام کیا جاتا۔ اس مجلس میں بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا۔ جتنے مسائل اتفاقِ رائے سے طے ہو جاتے، وہ قلم بند کر لیے جاتے۔ نمازِ ظہر پڑھ کر گھر آتے۔ گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سوتے۔

نمازِ عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ جاری رہتا۔ باقی وقت دوستوں سے ملنے ملانے میں صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشاء تک جاری رہتا۔ آپ اکثر رات بھر نہ سوتے، رات تہجد اور وظائف میں گزرتی۔ کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور یہ تمام مشاغل وہیں پورے کرتے۔

اس زمانے میں بہت سے لوگ حضرت امام ابوحنیفہ کی مخالفت پر اتر آئے تھے۔ ان میں کچھ تو سادہ دل اور اچھے لوگ تھے، لیکن زیادہ تر ایسے لوگ تھے جو خود کو فقیہ کہلوانا پسند

کرتے تھے۔ دوسروں کو مناظروں کے لیے پکارتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن اور حدیث کے خلاف بہت سے مسائل گھڑ لیے ہیں۔ ایسے لوگ عام طور پر آپ کو مناظروں پر اکساتے تھے۔ امام صاحب کو مجبوراً ان کے شبہات دور کرنے کے لیے میدان میں اترنا پڑتا تھا۔ یوں بھی اس زمانے میں مناظرہ درس کا ایک خاص طریقہ تھا۔ امام صاحب نے اپنے زیادہ تر اساتذہ سے اسی طریقے پر تعلیم پائی تھی۔

اب ان کے چند مناظروں کا حال پڑھیے۔

امام اوزاعیؒ ملک شام کے فقہ کے امام تھے۔ یہ مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہؒ سے ملے اور آپ سے کہا:

''مجھے عراق والوں پر حیرت تھی۔ یہ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے جب کہ میں نے امام زہریؒ سے اور انھوں نے حضرت سالمؒ بن عبداللہؓ اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اب آپ بتائیں۔ آپ کے پاس رفع یدین نہ کرنے کی کیا دلیل ہے؟''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حضرت حمادؒ نے حضرت ابراہیم نخعیؒ سے اور حضرت ابراہیم نخعیؒ نے حضرت علقمہؒ سے اور حضرت علقمہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔''

اس پر امام اوزاعیؒ نے کہا:

''سبحان اللہ! میں تو زہری، سالم اور حضرت عبداللہؓ کے ذریعے حدیث بیان کرتا ہوں، آپ ان کے مقابلے میں حماد، نخعی اور علقمہ کا نام لیتے ہیں۔''

جواب میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میرے راوی آپ کے راویوں سے زیادہ فقیہ ہیں۔اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رتبہ اور مقام تو آپ کو معلوم ہی ہے، اس لیے ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔''

اس مناظرے کا حال امام رازیؒ نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں نقل کیا ہے:

اس مسئلے کی وضاحت میں امام محمد نے لکھا ہے:

''ہماری روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے جب کہ امام اوزاعیؒ والی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تک جاتی ہے۔اس لیے بحث اس پر ہے کہ کون سی روایت کو ترجیح دی جائے۔اس سلسلے میں بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جماعت کی پہلی صف میں جگہ پاتے تھے۔جب کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ابھی کم عمر تھے اور انھیں دوسری یا تیسری صف میں جگہ ملتی تھی۔اس لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حرکات اور سکنات کو دیکھنے کا زیادہ موقع حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ملتا تھا۔

ایک روز بہت سے لوگ امام صاحب کی خدمت میں آئے۔وہ سب امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے بارے میں بات کرنے کے لیے آئے تھے اور ان کا موقف تھا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی۔امام صاحب نے ان کی بات سن کر کہا:

''میں اکیلا، اتنے بہت سے لوگوں سے کیسے بحث کر سکتا ہوں۔ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ اپنے میں سے کسی ایک کو مقرر کر لیں۔وہ سب کی طرف سے بات کرے گا اور اس کی تقریر پورے مجمعے کی تقریر سمجھی جائے گی۔''

ان سب نے آپ کی یہ بات منظور کر لی جب انھوں نے آپ کی یہ بات منظور کر لی تو امام صاحب نے فرمایا:

''آپ نے یہ بات مان کر بحث کا خود ہی فیصلہ کر دیا۔ جس طرح آپ نے ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار بنا دیا، اسی طرح نماز میں امام بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت میں کفیل ہے۔''

اور یہ مسئلہ آپ نے عقلی طور پر حل نہیں کیا، حدیث بھی یہی ہے۔ حدیث شریف میں بھی یہی آتا ہے:

''جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔''

ایک مرتبہ ضحاک نام کا شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ یہ شخص خارجیوں کا سردار تھا۔ یہ بنوامیہ کے زمانے میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا۔ اس نے امام صاحب کو تلوار دکھا کر کہا:

''توبہ کرو۔''

امام صاحب نے پوچھا:

''کس بات سے توبہ کروں؟''

ضحاک نے کہا:

''تم کہتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جھگڑے میں ثالث کے فیصلے کو ماننے کا اعلان کیا تھا، یعنی یہ کہا تھا کہ ثالث جو فیصلہ کرے گا، مجھے منظور ہوگا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر حضرت علی حق پر تھے تو پھر ثالث کا فیصلہ ماننے کا کیا مطلب... یہ بات انھوں نے کیوں منظور کی... حق پر ہونے کی صورت میں تو ثالث کا فیصلہ ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (یہ شخص چونکہ خارجی تھا اور خوارج ایک گمراہ فرقہ کے لوگ تھے، اور یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں گستاخی بھی کیا کرتے تھے)۔''

اس کی بات سن کر امام صاحب نے فرمایا:

''اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو پھر تو اور بات ہے، اس بحث میں پڑنے کی ضرورت

ہی نہیں... لیکن اگر تم معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہو تو مجھے بات کرنے کی اجازت دو۔"

اس پر ضحاک نے کہا:

"میں یہی چاہتا ہوں۔"

تب امام صاحب بولے:

"اچھی بات ہے... اگر بحث سے آپس میں معاملہ طے نہ ہو تو کیا علاج ہے؟"

ضحاک بولا:

"ہم دونوں آپس میں ایک شخص کو منصف مقرر کر لیتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"ٹھیک ہے۔"

اب ضحاک کے ساتھیوں ہی میں سے ایک شخص کو ثالث مقرر کیا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ دونوں کے درمیان فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر ہے۔ جب یہ ساری بات طے ہو گئی، تب امام صاحب نے فرمایا:

"یہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ پھر تم انھیں الزام کیوں دیتے ہو... جب تم خود کو حق پر سمجھتے ہو تو تم نے ثالث کیوں مقرر کیا؟"

وہ حیرت زدہ رہ گیا اور شرم سار ہو کر چلا گیا۔ اسی ضحاک خارجی کا واقعہ ہے کہ یہ شخص ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوفہ پہنچ گیا اور وہاں جاتے ہی قتل عام کا حکم دے دیا۔ امام صاحب کو اس بات کی اطلاع ملی تو فوراً اس کے پاس گئے اور اس سے پوچھا:

"آخر ان لوگوں نے کیا جرم کیا ہے؟"

جواب میں وہ بولا:

"یہ سب مرتد ہو گئے ہیں۔"

اس پر امام صاحب نے فرمایا:

''ان لوگوں کا اس سے پہلے کچھ اور مذہب تھا یا ہمیشہ سے ان کا یہی مذہب ہے؟''

ضحاک چونک گیا۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیا مطلب؟''

امام صاحب نے اپنی بات زیادہ وضاحت سے بیان کی... آپ کا مطلب یہ تھا کہ یہ تو اسی مذہب پر ہیں... جس پر پہلے سے چلے آرہے ہیں، پھر یہ مرتد کیسے ہو گئے؟... مرتد ہونا تو یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہے... یا مسلمان ہو چکا ہے... اور پھر وہ اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی اور مذہب... یعنی عیسائیت، یہودیت، ہندو، یا اور کوئی مذہب اختیار کر لے...

یہ وضاحت سنتے ہی اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا:

''تلواریں نیام میں رکھ لی جائیں۔'' پھر امام صاحب سے بولا۔

''بلاشبہ میں خطا پر تھا۔''

ایک مرتبہ حضرت قتادہ بصری رحمہ اللہ کوفہ میں آئے... کوفہ میں آتے ہی انھوں نے اعلان کر دیا:

''فقہ کے مسائل میں سے جسے جو مسئلہ پوچھنا ہو، مجھ سے پوچھ سکتا ہے، میں ہر مسئلے کا جواب دوں گا۔''

اب یہ تھے بھی بہت بڑے محدث اور امام۔ بے شمار لوگ جمع ہو گئے۔ امام ابوحنیفہ بھی اس مجمع میں موجود تھے۔ انھوں نے کھڑے ہو کر یہ سوال پوچھا:

''ایک شخص سفر پر گیا، ایک دو سال بعد اس کے مرنے کی خبر آ گئی۔ اس کی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا۔ اس سے اولاد بھی ہو گئی۔ ایسے میں پہلا خاوند واپس آ گیا۔ وہ اس اولاد کو اپنی اولاد نہیں مانتا، دوسرا خاوند اس اولاد کو اپنی اولاد مانتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ دونوں میں

سے کون سا شخص اس عورت پر زنا کا الزام لگاتا ہے، پہلا خاوند یا دوسرا؟

حضرت قتادہ نے سوال سن کر کہا:

''کیا ایسا واقعہ پیش بھی آیا ہے؟''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''نہیں! لیکن علماء کرام کو پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔''

حضرت قتادہ اس سوال کا جواب نہ دے سکے، بولے:

''تم مجھ سے قرآنِ کریم کی تفسیر سے کچھ پوچھو۔''

اب امام صاحب نے یہ آیت پڑھی:

مفہوم: کہا، میرے پاس کتاب کا علم ہے، میں پلک جھپکنے سے پہلے لا دوں گا۔''

یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں کو ملکہ بلقیس کا تخت اٹھالانے کا حکم فرمایا تھا، تو ایک صاحب بولے کہ آپ یہ حکم مجھے دیں، میں پلک جھپکتے میں ملکہ کا تخت اٹھا لاؤں گا۔ ان صاحب کا نام تفسیر میں ''آصف بن برخیا'' آیا ہے۔ یہ صاحب اسمِ اعظم جانتے تھے۔ اس کی تاثیر سے پلک جھپکنے میں ملک شام سے یمن پہنچ کر تخت اٹھالائے۔

عام مسلمانوں میں یہی بات مشہور ہو چکی تھی اور سب یہی تفسیر کرتے تھے۔ امام صاحب کے سوال پر حضرت قتادہ نے بھی یہی مطلب بیان کیا۔ اب امام صاحب نے سوال کیا:

''سلیمان علیہ السلام خود بھی اسمِ اعظم جانتے تھے یا نہیں؟''

قتادہ بولے:

''نہیں! سلیمان علیہ السلام کو اسمِ اعظم معلوم نہیں تھا۔''

اب امام صاحب نے فرمایا:

''کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبی کے زمانے میں، نبی سے زیادہ علم ایک ایسے شخص کو ہو جو نبی نہ ہو۔''

قتادہ اس سوال کا بھی جواب نہ دے سکے اور بولے:

''عقائد کے بارے میں پوچھو۔''

امام صاحب نے ان سے پوچھا:

''کیا آپ مومن ہیں؟''

جواب میں قتادہ نے جواب دیا:

''ان شاء اللہ! میں مومن ہوں۔'' (اس زمانے میں بعض علماء اسی طرح جواب دیتے تھے، اور اس کو احتیاط میں داخل کرتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب نہ آجائے کہ تم جھوٹے ہو۔ لیکن جمہور علماء اس طرح نہیں کہتے تھے۔)

حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

''آپ نے ان شاء اللہ کی قید کیوں لگائی، صرف یہ کیوں نہ کہا کہ میں مومن ہوں، جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ پوچھا تھا کہ کیا آپ مؤمن نہیں ہیں؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا تھا کہ کیوں نہیں (یعنی میں مومن ہوں)۔'' امام صاحب کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، وہ مومن ہے تو پھر اس میں ان شاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

آپ کا جواب سن کر قتادہ لاجواب ہوئے اور ناراضی کے عالم میں وہاں سے چلے گئے۔

اس زمانے میں یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے۔ خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں ان کی بہت قدر تھی، لیکن کوفہ کے لوگوں کے نزدیک ان کا وہ مقام نہیں تھا جو حضرت امام

ابوحنیفہ کا تھا۔ یہ یحییٰ بن سعید لوگوں کے درمیان کہا کرتے تھے:

''کوفہ والے بھی عجیب سادہ دل ہیں، سارا شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے۔''

ان کا اشارہ امام ابوحنیفہ کی طرف ہوتا تھا۔ یہ بات حضرت امام ابوحنیفہ تک بھی پہنچی۔ آپ نے اپنے شاگرد امام ابو یوسف اور چند دوسرے شاگردوں کو ان کی طرف بھیجا اور ان سے کہا:

''جا کر قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں۔''

امام یوسف نے قاضی یحییٰ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔

''اگر دو آدمیوں کا ایک مشترکہ غلام ہو تو ان میں سے ایک اس غلام کو آزاد کر سکتا ہے یا نہیں۔''

یحییٰ بن سعید نے کہا:

''ہرگز نہیں کر سکتا، کیونکہ حدیث میں آیا ہے، یعنی وہ کام جس سے کسی کو ضرر پہنچے، جائز نہیں۔''

اس پر امام یوسف بولے:

''اگر دوسرا شخص آزاد کر دے تو؟''

قاضی یحییٰ نے کہا:

''تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا۔''

امام یوسف نے جواب دیا:

''آپ نے خود اپنی بات کی نفی کر دی... وہ ایسے کہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنی اسی طرح غلام کا غلام رہتا ہے۔ جب ایک شریک

نے آزاد کیا تو آپ کے نزدیک اس کا یہ فعل بالکل بے اثر تھا۔ یعنی وہ اسی طرح غلام رہا جیسا پہلے تھا۔ اب صرف دوسرے شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے۔"

یحییٰ بن سعید لاجواب ہو کر رہ گئے۔ اسی طرح محمد بن عبدالرحمٰن مشہور فقیہ تھے۔ ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان میں کسی قدر ناراضی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ فیصلوں میں غلطی کر جاتے تھے... اس صورت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اصلاح کرنا پڑتی تھی... آپ کا اصلاح کرنا انھیں ناگوار گزرتا تھا... ادھر امام صاحب بھی حق کے ظاہر کرنے پر مجبور تھے۔

ابن ابی لیلیٰ مسجد میں بیٹھ کر مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ ایک دن کام سے فارغ ہو کر مجلس سے اٹھے۔ راستے میں ایک عورت کو دیکھا۔ وہ کسی سے جھگڑ رہی تھی۔ بات چیت کے دوران اس عورت نے یہ کہہ دیا:

"اے زانی اور زانیہ کے بیٹے۔"

قاضی ابن ابی لیلیٰ نے حکم دے دیا:

"اس عورت کو گرفتار کر لیا جائے۔"

یہ حکم دے کر مجلس میں واپس آ گئے اور حکم دیا:

"عورت کو کھڑا کر کے اسے درّے لگائے جائیں اور دو حدیں لگائی جائیں۔"

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا:

"قاضی صاحب نے اس فیصلے میں چند غلطیاں کیں، ایک تو یہ کہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تھے، پھر واپس آ کر عدالت لگائی۔ یہ آئینِ عدالت کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ مسجد میں مارنے کا حکم دیا... حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، تیسرے یہ کہ عورت کو بٹھا کر درّے لگانے چاہیے تھے، قاضی صاحب نے اس کے خلاف

کیا۔ چوتھے یہ کہ ایک لفظ سے ایک ہی حد ہوتی ہے اور دونوں حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونوں حدیں نہیں لگائی جا سکتیں۔ ایک حد لگا کر مجرم کو چھوڑ دینا چاہیے تھا، تا کہ زخم بالکل بھر جاتے تو پھر دوسری حد کی تعمیل کی جاتی۔ پھر یہ کہ جسے گالی دی گئی، اس نے دعویٰ نہیں کیا۔ جب دعویٰ نہیں کیا گیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا۔"

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اعتراضات سن کر قاضی ابنِ لیلیٰ بہت برہم ہوئے۔ کوفہ کے گورنر کے پاس گئے اور اس سے شکایت کی کہ ابوحنیفہ نے مجھے تنگ کر رکھا ہے۔ گورنر نے یہ حکم جاری کر دیا:

"ابوحنیفہ فتوے نہ دینے پائیں۔"

اس حکم کے بعد ایک دن امام صاحب گھر میں بیٹھے تھے۔ ان کی بیٹی نے مسئلہ پوچھا:

"میں آج روزے سے ہوں۔ دانتوں سے خون نکلا ہے اور تھوک کے ساتھ گلے سے اتر گیا ہے۔ میرا روزہ باقی رہا یا جاتا رہا؟"

آپ نے بیٹی کو جواب دیا:

"پیاری بیٹی! اپنے بھائی حماد سے پوچھو۔ مجھے تو فتویٰ دینے سے روک دیا گیا ہے۔"

مطلب یہ کہ آپ وقت کے حاکم کی اس حد تک اطاعت کرتے تھے۔ (ابنِ خلکان)

اب ہوا یہ کہ چند روز بعد خود گورنر کو چند فقہی مسائل میں مشکلات آئیں۔ انھیں مجبوراً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے وہ مسائل پوچھنے پڑ گئے تب ان پر سے یہ پابندی اٹھالی گئی اور انھیں فتویٰ دینے کی عام اجازت ہوگئی۔

یوں تو امام صاحب میں تواضع بہت تھی، لیکن مناظروں میں کبھی کبھی آپ جوش میں آجاتے تھے، لیکن یہ انسانی جذبات ہیں، ان سے کوئی شخص بری نہیں۔

ایک دن عجیب اتفاق پیش آیا۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، قاضی ابنِ ابی لیلیٰ، امام

شریک اور امام صاحب رحمہم اللہ ایک مجلس میں جمع ہو گئے۔ لوگوں کو کچھ پوچھنے کا بھلا اس سے اچھا موقع کون سا ہاتھ آ سکتا تھا... چار فقیہ ایک ساتھ موجود تھے، چنانچہ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا:

''چند آدمی ایک جگہ جمع تھے۔ اچانک ایک سانپ آ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا، اس نے گھبرا کر اسے پھینک دیا۔ وہ دوسرے پر جا گرا، اس نے بھی گھبراہٹ میں ایسا ہی کیا۔ وہ تیسرے پر جا گرا، تیسرے نے بھی اسے اچھال دیا۔ اس طرح سانپ چوتھے پر گرا اور اس نے اسے ڈس لیا۔ وہ شخص مر گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ دیت کس پر لازم ہے۔''

سب سوچ میں پڑ گئے۔ یہ فقہ کا ایک عجیب مسئلہ تھا۔ کسی نے کہا کہ سب پر لازم ہے۔ اور کسی نے کہا کہ صرف پہلا شخص دیت دے گا، مطلب یہ کہ سب کی رائے مختلف تھی اور بحث کے باوجود وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خاموش تھے اور برابر مسکرا رہے تھے۔ آخر سب ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب نے کہا:

''حضرت! آپ بھی تو کچھ فرمائیے۔''

امام صاحب نے فرمایا:

''جب پہلے نے دوسرے پر سانپ پھینکا تو وہ محفوظ رہا۔ اس طرح پہلا شخص تو بری الذمہ ہو گیا، اسی طرح دوسرے نے پھینکا تو تیسرا محفوظ رہا۔ لہٰذا دوسرا بھی بری الذمہ ہو گیا۔ تیسرے نے چوتھے پر سانپ پھینکا اور چوتھا مر گیا، لہٰذا دیت اگر ہے تو اس آخری پھینکنے والے پر ہے جس کے پھینکنے سے اس سے اگلا آدمی مرا اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ اگر اس کے پھینکتے ہی سانپ نے نہیں کاٹا تو خود اس کی غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں تیزی کیوں نہ دکھائی۔''

اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی تعریف کی۔

ایک شخص نے کسی بات پر ناراض ہو کر اپنی بیوی سے قسم کھا کر کہا:

''جب تک تو مجھ سے نہ بولے گی، میں تجھ سے نہیں بولوں گا۔''

عورت بھی تیز مزاج تھی۔اس نے بھی یہ قسم کھالی۔

''جب تک تو مجھ سے نہیں بولے گا، میں تجھ سے نہیں بولوں گی۔''

دونوں نے غصے میں یہ قسم کھالی... بعد میں دونوں کو پریشانی شروع ہوگئی کہ یہ کیا قسم کھا بیٹھے۔خاوند امام سفیان ثوری کے پاس گیا۔ان سے فتویٰ پوچھا۔انھوں نے فتویٰ دیا:

''قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔''

وہ مایوس ہو کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور مسئلہ بیان کیا۔آپ نے سن کر فرمایا:

''جاؤ... سکون سے باتیں کرو۔تم دونوں پر کوئی کفارہ نہیں۔''

امام سفیان ثوری کو جب آپ کے اس فتوے کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور امام صاحب کے پاس جاکر بولے:

''آپ لوگوں کو بہت غلط فتوے دیتے ہیں۔''

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو بلایا اور اس سے فرمایا:

''تم واقعہ دوبارہ بیان کرو۔''

اس نے واقعہ دوبارہ بیان کیا۔اب امام صاحب امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''میرا فتویٰ درست تھا... میں اب بھی وہی کہتا ہوں۔''

سفیان ثوری نے پوچھا:

''وہ کیسے؟''

آپ نے جواب دیا:

"جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی تھی... پھر قسم کہاں رہی۔"

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے فتوے کو بالکل درست تسلیم کیا اور فرمایا:

"آپ کو حقیقت میں جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے... ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں جاتا۔"

ایک مرتبہ بہت سے خارجی امام صاحب کے گھر پر چڑھ دوڑے اور آپ سے کہنے لگے:

"کفر سے توبہ کرو۔"

امام صاحب نے جواب میں فوراً کہا۔

"ہاں! میں کفر سے توبہ کرتا ہوں۔"

امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو، میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ ان خارجیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ آپ کا جواب سن کر خارجی مطمئن ہو کر واپس لوٹ گئے۔ کسی نے ان سے کہا:

"امام ابوحنیفہ نے تمھیں دھوکا دیا۔ ان کا مطلب تو یہ تھا کہ میں تمھارے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ یعنی جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو، اس سے توبہ کرتا ہوں۔"

یہ سن کر خارجی غصے میں آ گئے، پھر آپ پر چڑھ دوڑے اور بولے:

"تم نے تاویل کی۔"

جواب میں امام صاحب نے فرمایا:

"تمھیں اس بات کا یقین ہے یا صرف گمان کی بنیاد پر یہ کہہ رہے ہو۔"

اس پر وہ بولے:

''نہیں گمان ہی ہے۔''

اب آپ نے فرمایا:

''تب پھر تم خود توبہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، بعض گمان گناہ ہیں۔''

وہ لاجواب ہو کر چلے گئے۔ ایک دن مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے گرد بہت سے شاگرد جمع تھے۔ اچانک خارجیوں کا ایک گروہ آدھمکا۔ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ امام صاحب نے انھیں روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں، اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی ان سب کا سردار تھا، وہ آگے آیا اور بولا:

''تم لوگ کون ہو؟''

آپ نے انھیں جواب دیا:

''ہم پناہ گزین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پناہ گزینوں کے بارے میں فرمایا ہے، یعنی مشرکین میں سے اگر کوئی شخص پناہ مانگے تو اسے پناہ دو، تا کہ وہ اللہ کا کلام سن سکیں، پھر انھیں ان کے گھر پہنچا آؤ۔''

اس وقت خارجیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک، کافر اور واجب القتل سمجھتے تھے۔ اس وقت وہ اسی نیت سے آئے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر انھیں قتل کر دیں، لیکن امام صاحب کا جواب سن کر وہ لاجواب ہو گئے۔ ان کے سردار نے کہا:

''ٹھیک ہے... ان لوگوں کو قرآن سنا کر انھیں ان کے گھر پہنچا آؤ۔''

یہ کہ کر وہ واپس چلے گئے۔ خلیفہ منصور کے دربار میں ابوالعباس امام صاحب کا دشمن تھا۔ وہ ہمیشہ انھیں نقصان پہنچانے کے چکر میں رہتا تھا۔ ایک دن امام صاحب کسی کام سے دربار میں گئے تو اس نے سوچا، موقع اچھا ہے... آج یہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہ جانے

پائیں، چنانچہ اس نے آپ سے سوال پوچھا۔
"اے ابوحنیفہ! امیر المومنین کبھی کبھی ہمیں حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن ماردو... اب ہمیں یہ بات بالکل معلوم نہیں ہوتی کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہیں۔ ایسی حالت میں ہمیں خلیفہ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے یا نہیں۔"
اس سوال سے ابوالعباس آپ کو گھیرنا چاہتا تھا... اس کا خیال تھا کہ آپ فوراً کہہ دیں گے کہ اس صورت میں تعمیل نہیں کرنی چاہیے... لہٰذا آپ کا جواب سن کر خلیفہ کو غصہ آجائے گا اور آپ کو سزا دے گا... امام صاحب نے سوال سن کر فرمایا:
"تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکامات حق ہوتے ہیں یا باطل۔"
اب منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ کہتا... باطل ہوتے ہیں... ابوالعباس کو مجبوراً کہنا پڑا:
"حق ہوتے ہیں۔"
اس کا جواب سن کر آپ نے فرمایا:
"جب خلیفہ کے احکامات حق ہوتے ہیں تو پھر حق کی تعمیل کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"
ابوالعباس اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ آپ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا۔
"اے ابوحنیفہ! میرے پاس کچھ رقم تھی، وہ میں نے احتیاط سے کسی جگہ رکھ دی تھی... اب میں وہ جگہ بھول گیا ہوں... یاد نہیں آرہا کہ رقم کہاں رکھی تھی... اور مجھے رقم کی شدید ضرورت ہے... کوئی تدبیر بتائیں۔"
امام صاحب نے اس کی بات سن کر کہا:
"بھائی! یہ کوئی فقہ کا مسئلہ تو ہے نہیں۔"

اس نے منت سماجت کی تو آپ نے فرمایا:

"اچھا تم یوں کرو کہ آج تمام رات نماز پڑھو۔"

"وہ گیا اور نماز شروع کر دی، ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اسے یاد آ گیا کہ رقم کہاں رکھی ہے۔"

دوڑتا ہوا امام صاحب کے پاس گیا اور بولا:

"آپ کی تدبیر کارگر رہی... لیکن بھلا یہ کیا ترکیب تھی؟"

جواب میں آپ مسکرائے اور فرمایا:

"بھلا شیطان یہ کیسے گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھو۔ اس لیے اس نے فوراً ہی تمھیں یاد کرا دیا... تاہم تمھیں چاہیے تھا کہ شکر کے طور پر رات بھر نماز پڑھتے رہتے۔"

ایک شخص نے آپ کی خدمت میں آ کر کہا:

"میں نے کچھ قیمتی چیزیں گھر کے کسی حصے میں دفن کر دی تھیں... اب مجھے وہ جگہ یاد نہیں آ رہی۔"

اس کی بات سن کر امام صاحب بولے:

"اگر تمھیں وہ جگہ یاد نہیں تو بھلا مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟"

وہ رونے لگا... آپ کو اس پر ترس آ گیا۔ چند شاگردوں کو ساتھ لے کر آپ اس کے گھر گئے اور شاگردوں سے فرمایا:

"اگر یہ گھر تمھارا ہوتا اور تمھیں کوئی چیز چھپانا ہوتی تو کہاں دفن کرتے۔"

شاگردوں نے اپنے اپنے اندازے کے مطابق جگہیں بتا دیں۔ اس پر امام صاحب نے بتایا:

"بس تو پھر انھی تین چار جگہوں میں سے کوئی جگہ ہو سکتی ہے۔"

کھدائی کی گئی تو اللہ کی شان، تیسری ہی جگہ سے مال مل گیا۔

امام صاحب ایک روز حجامت بنوا رہے تھے۔ آپ نے حجام سے کہا:

''سفید بالوں کو چن لینا۔''

اس پر حجام بولا:

''جو بال چنے جاتے ہیں، وہ اور زیادہ نکلتے ہیں۔''

جواب میں امام صاحب نے فرمایا:

''تب پھر سیاہ بال چن لینا، تاکہ وہ اور زیادہ نکلیں۔''

قاضی شریک نے جب یہ بات سنی تو بولے:

''ابوحنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہیں چھوڑا۔''

امام صاحب کے محلے میں ایک شیعہ رہتا تھا... وہ بہت متعصب تھا۔ اس نے دو خچر پال رکھے تھے۔ ایک کا نام ابوبکر اور دوسرے کا عمر رکھا ہوا تھا (معاذ اللہ)۔ اتفاق سے ایک خچر نے اس کے لات ماری۔ جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ محلے میں اس واقعے کا چرچا ہوا۔ امام صاحب نے سنا تو بول اٹھے:

''اسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اس نے عمر رکھا ہے۔''

معلوم کرنے پر پتا چلا... ایسا ہی ہوا تھا۔ کوفہ میں ایک غالی شیعہ رہتا تھا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہودی کہتا تھا (معاذ اللہ)۔ ایک دن امام صاحب اس کے پاس گئے اور اس سے کہا:

''تم اپنی بیٹی کے لیے رشتہ تلاش کر رہے ہو۔ ایک شخص ہے، وہ شریف ہے، دولت مند بھی ہے۔ پرہیزگار بھی ہے، راتوں کو نماز پڑھنے کا عادی ہے، اس نے قرآن بھی حفظ کر رکھا ہے... تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

یہ سن کر اس نے کہا:

''اس سے بڑھ کر اچھا رشتہ اور کیا ہوگا... آپ رشتہ اس سے طے کرا دیں۔''

جواب میں امام صاحب نے فرمایا:

''لیکن ایک بات ہے... وہ قریبا یہودی ہے۔''

یہ سن کر وہ بھڑک اٹھا اور بولا:

''سبحان اللہ! آپ یہودی سے رشتہ کرنے کی رائے دے رہے ہیں؟''

اب امام صاحب نے فرمایا:

''تم اپنی بیٹی کا رشتہ ایک یہودی سے کرنا پسند نہیں کرتے... تو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے ایک یہودی کو اپنا داماد بنالیا۔''

اسے ایک جھٹکا لگا اور اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے خیال سے توبہ کر لی۔

سن 120 ہجری میں آپ کے دل میں علمِ فقہ کو مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا... یہ خیال آپ کو اپنے استاد امام حماد کی وفات پر آیا۔ یہ بہت بڑی ذمے داری کا کام تھا۔ اتنے بڑے کام کو آپ اپنی ذاتی رائے اور معلومات سے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس غرض کے لیے آپ نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص منتخب کیے۔ ان میں سے اکثر کو استاذِ زمانہ مانا جاتا تھا۔ مثلاً یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی، حبان مندل، یہ لوگ علمِ حدیث میں کمال درجے کے تھے۔ ان کے علاوہ امام زفر قوتِ استنباط میں مشہور تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال حاصل تھا۔ امام صاحب نے ان سب حضرات کی ایک مجلس قائم کی اور باقاعدہ طور پر فقہ کی تدوین کا کام شروع ہوا۔

ایک روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد چالیس تھی۔ ان میں لکھنے کی خدمت یحییٰ

سے متعلق تھی۔ وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اس طرح فقہ کی تدوین میں تیس برس لگے۔ سن 120ھ سے یہ کام شروع ہوا۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا۔ اس کے جواب میں اگر سب حضرات متفق ہوتے، یعنی سب کی رائے ایک ہوتی تو اس مسئلے کو اسی وقت لکھ لیا جاتا اور اگر اس میں اختلاف ہوتا تو اس پر نہایت آزادانہ بحث ہوتی۔ کبھی کبھی تو بہت دیر تک بحث جاری رہتی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بہت غور اور صبر سے سب کی تقریریں سنتے اور آخر کار ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلے کے بعد بھی کچھ حضرات اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے۔ اس وقت وہ سب قول لکھ لیے جاتے۔

مجلس کے ایک شریک کا نام عافیہ بن یزید تھا۔ اگر وہ مجلس میں شریک نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ فرماتے:

''عافیہ کو آلینے دو۔''

جب وہ آجاتے اور اس مسئلے سے اتفاق کر لیتے، تب وہ مسئلہ درج کیا جاتا۔ اس طرح تیس سال کی مدت میں یہ عظیم الشان کام مکمل ہوا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آخری عمر قید خانے میں گزری، لیکن وہاں بھی یہ کام جاری رہا۔

فقہ کے اس مجموعے کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ جس قدر بھی اس کے حصے تیار ہوتے جاتے، تمام ملکوں میں اس کی اشاعت ہوتی جاتی تھی۔ امام صاحب کی درس گاہ نے ایک قانونی درس گاہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ اس درس گاہ کے طلبا بڑی تعداد میں ملکی عہدوں پر لگائے گئے۔ حکومت کا آئین، امام صاحب زیر نگرانی تیار ہونے والا علم فقہ کا یہ مسودہ ہی تھا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ جو لوگ امام صاحب کے مخالف تھے، وہ بھی اس

فقہ پر عمل کرتے تھے۔ (اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔)

اس زمانے کے ایک عالم بیان کرتے ہیں:

''میں نے ایک دن سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے سرہانے ایک کتاب دیکھی۔ میں نے ان کی اجازت سے وہ کتاب اٹھا کر دیکھی... تو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''کتاب الرہن'' تھی۔ میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے حیران ہو کر پوچھا۔

''آپ ابوحنیفہ کی کتابیں پڑھتے ہیں؟''

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے آہ بھر کر کہا:

''کاش! ان کی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔'' (عقود الجمان باب عاشر)

اس زمانے میں فقہ کے بہت بڑے بڑے دعوے دار تھے۔ ان میں سے کچھ حضرات امام ابوحنیفہ کے مخالف بھی تھے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی فقہ کے اس مجموعے پر کسی اعتراض کی جرأت پیدا نہ ہو سکی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں نے جو مسائل ترتیب دیے... ان پر کوئی بھی کسی قسم کا اعتراض نہ کر سکا، اگرچہ اس زمانے میں حدیث کے عالم اور فقہ کے ماہرین بڑی تعداد میں موجود تھے۔ صرف اتنا ضرور ہوا کہ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الیسر کی تردید میں کتاب لکھی... لیکن امام صاحب کے شاگرد قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب لکھ کر ان کا اعتراض بھی ختم کر دیا۔

یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا۔ اس میں ہزارہا مسائل تھے۔ ایک مصنف لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کے جن مسائل کی تدوین کی... ان کی تعداد چھ لاکھ ہے۔''

یہ تعداد شاید اس قدر نہ ہو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ آپ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جو کتابیں آج موجود ہیں، ان سے اس بات کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں فقہ کے تمام باب ترتیب پاگئے تھے۔ تاریخ کی کتب سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے، لیکن افسوس! ایک مدت ہوئی کہ وہ مجموعہ ضائع ہوگیا اور دنیا کے کسی کتب خانے میں اس کا پتا نہیں چلتا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب باقی نہیں رہی۔'' (مناقب امام شافعی)

امام رازیؒ نے 606 ہجری میں انتقال کیا۔ اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس سے بھی زیادہ عرصہ بیت گیا کہ آپ کی تصانیف ناپید ہوگئیں۔

یہ بات عجیب لگتی ہے کہ آپ کی تصانیف ناپید ہوگئیں، لیکن دیکھا جائے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں... اس دور کی ہزار ہا کتابوں میں سے آج ایک بھی موجود نہیں۔

امام اوزاعی، ابن جریج، ابن عروبہ، حماد بن ابی معمر رحمہم اللہ، ان کی کتب بھی عین اسی زمانے میں شائع ہوئی تھیں جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہ مرتب ہوا تھا، لیکن ان کتابوں کا آج کوئی نام ونشان نہیں... تاہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کی گم شدگی کی ایک خاص وجہ ہے۔

امام صاحب کا فقہ کا مجموعہ اگرچہ خوش اسلوب تھا، اسے بہترین انداز میں ترتیب دیا گیا تھا، لیکن امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان مسائل کو اس قدر وضاحت اور تفصیل سے لکھا کہ اصل کتاب کی لوگوں کو ضرورت ہی نہ رہی۔ مطلب یہ کہ امام ابوحنیفہ کا فقہ آج امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی تصانیف کی صورت میں موجود ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل نہایت تیزی سے عجم کے تمام ملکوں میں پھیل گئے... البتہ عرب میں ان کا رواج نہ ہوسکا... اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں امام مالک اور مکہ معظمہ میں دیگر امام موجود تھے، تاہم عرب کے علاوہ عجم کے اکثر اسلامی ملکوں میں فقہ حنفی ہی کا طریقہ رائج ہوا۔ چند ملک ایسے بھی ہیں جن میں فقہ حنفی ختم ہوگیا۔ اس کی بھی خاص وجوہات تھیں۔ مثلاً افریقہ میں سن 405 ہجری تک امام ابوحنیفہ کا طریقہ تمام طریقوں پر چھایا ہوا تھا، لیکن جب وہاں کا مستقل حکمران معز بن بادیس بنا تو اس نے سن 406 ہجری میں حکومت کے زور پر مالکی فقہ کو رواج دیا جو آج تک قائم ہے۔

عباسی خلفاء کسی کے فقہ پر عمل نہیں کرتے تھے، وہ خود کو فقیہ سمجھتے تھے۔ ان کے زوال کے بعد فقہ حنفی کو عروج حاصل ہوا۔ سلجوقی خاندان نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی۔ ان کی حکومت کے طول و عرض میں یعنی کاشغر سے بیت المقدس تک اور قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک حنفی فقہ رائج تھا۔ محمود غزنویؒ کے نام سے پاک و ہند کا بچہ بچہ واقف ہے۔ یہ فقہ حنفی کے بہت بڑے عالم تھے۔ خود انھوں نے فقہ پر ایک عمدہ کتاب لکھی۔ اس میں کم و بیش ساٹھ ہزار مسائل تھے۔

نور الدین زنگیؒ کے نام سے کون واقف نہیں، بہت نمایاں شخصیت ہیں، بیت المقدس کی جنگوں میں ان کا نام بہت مشہور ہے۔ صلاح الدین ایوبی انھی کے دربار میں شامل تھے۔ دنیا میں پہلا دار الحدیث انھوں نے ہی قائم کیا تھا... اگرچہ یہ شافعی اور مالکی فقہ کی عزت کرتے تھے، لیکن یہ خود اور ان کا خاندان مسلکاً حنفی تھے، صلاح الدین خود شافعی تھے، لیکن ان کے خاندان میں بھی حنفی مذہب کے لوگ موجود تھے۔

ملک المعظم عیسیٰ بن ملک العادل ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا۔ علامہ ابن خلکان اس کے حالات میں لکھتے ہیں:

''وہ نہایت عالی ہمت، عالم فاضل، ہوش مند، دلیر اور بارعب بادشاہ تھا۔ حد سے بڑھ کر حنفی فقہ پر عمل کرتا تھا۔''

ترکی سلاطین تقریباً چھ سو برس تک روم کے حکمران رہے۔ یہ فقہ حنفی کے مقلد تھے۔

خود ہمارے ملک کے حکمران آل تیمور (مغل حکمران) اسی فقہ کے پیروکار تھے۔

مطلب یہ کہ اس زمانے میں فقہ حنفی قانون کا بہت بڑا مجموعہ تھا۔ فقہ کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ اس بات کو مثالوں سے سمجھیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور تک لونڈیوں کی خرید و فروخت جاری تھی۔ آپ نے اسے بالکل روک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے سفر میں غیر مذہب والوں پر جزیہ مقرر کیا، وہ ایک دینار فی آدمی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران میں 6، 12، 48 دینار فی آدمی کے حساب سے مقرر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرماتے تو اس میں قرآن کریم کے حکم کے موافق اپنے عزیزوں کا حصہ لگاتے تھے جب کہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی حصہ نہیں لیا۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہاشمیوں کو حصہ نہیں دیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراب پینے پر کوئی خاص سزا مقرر نہیں ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے 40، 40 درّے مقرر کر دیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 80 درّے مقرر فرمائے۔ ان کے دور میں شراب نوشی کا رجحان زیادہ ہو چلا تھا۔

یہ تمام واقعات اور اس جیسے اور بھی بہت سے واقعات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ تو کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ خلفائے راشدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی خلاف ورزی کی۔ نعوذ باللہ! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ دن رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے

تھے۔آپ کی صحبت میں رہ کر شریعت کے مزاج کو پہچاننے لگ گئے تھے۔ان کے لیے یہ تمیز کرنا آسان تھا کہ کون سے احکام شرعی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اس حد میں داخل ہیں جن کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا:

''تم اپنے معاملات کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار فرمایا تھا۔

''آج اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ دیتے۔''

اس بات کا صاف مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے مسجد میں جانے کی اجازت عام طور پر نہیں دی تھی اور اسے لازمی قرار نہیں دیا تھا۔ورنہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے اس پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔

انھی تمام وجوہات کی بنا پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کو دلیل بنایا اور مسائل، خلفائے راشدین کے طرز عمل کو سامنے رکھ کر ترتیب دیے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقہ کی تدوین میں مصروف تھے کہ سن 132 ہجری میں ملک کے سیاسی حالات نے پلٹا کھایا۔بنی امیہ کی حکومت ختم ہوگئی۔بنوعباس حکمران ہوگئے۔اس خاندان کا پہلا حکمران ابوالعباس سفاح تھا۔اس نے چار سال حکومت کی۔سن 136 ہجری میں وفات پا گیا۔اس کے بعد اس کا بھائی منصور تخت پر بیٹھا۔اس شخص نے ظلم وستم کا بازار کچھ زیادہ ہی گرم کر دیا۔اس کے ظلم وستم سے تنگ آکر سادات میں سے ایک صاحب محمد نفس ذکیہ نے ان کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا۔جلد ہی ان کے گرد بے شمار لوگ جمع ہو گئے۔ علمائے کرام نے محمد نفس ذکیہ کے حق میں فتوے دے ڈالے۔نفس ذکیہ یوں تو بہت

بہادر تھے۔فنونِ جنگ کے ماہر تھے،لیکن تقدیر کے آگے ان کی بھی نہ چلی۔سن 145 ہجری میں میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے خلافت کا جھنڈا ہاتھ میں لیا... اور اس قدر زبردست تیاریوں سے منصور کے خلاف اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے... کیونکہ 20 لاکھ کے قریب لوگ ابراہیم کا ساتھ دینے پر تیار ہوگئے تھے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی تائید کی۔آپ نے ابراہیم کو ایک خط بھی لکھا... انھیں سامانِ جنگ میں مدد کے طور پر چار ہزار درہم بھی بھیجے،اس وقت آپ کے پاس اتنی ہی رقم تھی۔لیکن آپ بذاتِ خود اہم مصروفیات کی بناء پر اُن کے ساتھ شریک نہ ہوسکے۔

اس خط سے ظاہر ہے،امام صاحبؒ ابراہیمؒ کے علانیہ طرف دار تھے۔پھر ہوا یہ کہ ابراہیمؒ بھی بصرہ میں بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔اس طرح یہ تحریک دم توڑ گئی۔

اس مہم سے فارغ ہوکر منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنھوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ان میں امام صاحب بھی موجود تھے۔منصور اس وقت کوفہ سے کچھ میل دور ہاشمیہ کے مقام پر تھا۔وہ سن 146 ہجری میں بغداد پہنچا۔اس نے بغداد کو دارالخلافہ بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔بغداد پہنچتے ہی اس نے کوفہ کے گورنر کو حکم بھیجا:

''کوفہ کے ان عالموں کو فوراً دربار میں بھیجا جائے۔ابوحنیفہ،سفیان ثوری،شریک بن عبداللہ نخعی اور مسعر بن کدام۔

یہ چاروں حضرات منصور کے سامنے لائے گئے تو اس نے کہا:

''گھبرانے کی ضرورت نہیں،میں نے تم لوگوں کو ایک اچھے کام سے بلایا ہے۔اس سے میری کوئی بری غرض نہیں۔''

ان چاروں حضرات کو علم تھا کہ اس کی نیت اچھی نہیں ہے اور چاروں اس سے کسی نہ

کسی طرح گلو خلاصی چاہتے تھے۔ ان چاروں میں سے مسعر بن کدام نے سب سے پہلے عقل مندی کا مظاہرہ کیا۔ اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اچانک نکل کر خلیفہ کے بالکل نزدیک جا پہنچے اور بے تکلفی کے انداز میں منصور کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہنے لگے:

"فرمایئے! آج کل جناب کا مزاج کیسا ہے؟ بندہ جب یہاں نہیں تھا تو اس وقت آپ کیسے رہے؟ اور آپ کے مویشیوں اور گھوڑوں کا کیا حال ہے؟ آپ کے پڑوس میں جو فلاں فلاں صاحب رہتے ہیں، ان کا کیا حال ہے؟ آپ کے نوکر چاکر کیسے ہیں؟ اور سنا ہے کہ کوفہ کی گلیوں کی حالت بہت خراب ہے۔"

اب سارا دربار حیران پریشان کہ یہ شخص خلیفہ سے کیا باتیں کر رہا ہے۔ اتنے میں مسعر نے کہا:

"ارے ہاں! میں نے سنا ہے، آپ مجھے قاضی مقرر کرنا چاہتے ہیں۔"

آخر دربار میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر انھیں خلیفہ کے پاس سے ہٹایا اور کچھ فاصلے پر لے گیا... سارا دربار اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس شخص کا دماغی توازن درست نہیں... خود منصور نے بھی یہی خیال قائم کیا... اور انھیں بے وقوف آدمی خیال کرتے ہوئے باہر نکال دیا گیا...

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسعر کو یہ ترکیب حضرت امام ابوحنیفہؒ ہی نے سمجھائی تھی اور انھوں نے آپ کی ترکیب پر عمل کیا تھا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب سارا دربار مسعر کی باتوں پر حیران تھا تو یہ چپکے سے دربار سے نکل گئے تھے۔ اس طرح ان کی بھی جان بچ گئی۔

اب خلیفہ کے سامنے صرف امام ابوحنیفہؒ اور قاضی شریکؒ رہ گئے۔ منصور نے امام صاحب کو نزدیک بلایا اور بولا:

''میں آپ کو کوفہ کا قاضی بنانا چاہتا ہوں۔''

لیکن امام صاحب نے کہا:

''میں عربی نہیں ہوں اور اہلِ عرب کو میری حکومت قبول نہیں ہوگی... بلکہ ناگوار ہوگی۔''

مطلب یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے کچھ ایسے انداز میں دربار میں تقریر کی کہ منصور خاموش ہوگیا۔ اور اس وقت یہ بلا ان کے سر سے ٹل گئی۔

قاضی شریک کی باری آئی تو انھوں نے کہا:

''میرا دماغ کمزور ہے، حافظہ خراب ہے، اس لیے میں اس عہدے کا اہل نہیں۔''

اس پر منصور نے کہا:

''کوئی بات نہیں... آپ کو روزانہ روغنِ بادام میں فالودہ بنوا کر پلانے کا حکم دے دوں گا۔''

آخر قاضی شریک نے اپنی شرائط پیش کیں... منصور نے ان کو منظور کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد منصور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بار بار اپنے دربار میں طلب کرنے لگا اور ہر مرتبہ قاضی کا عہدہ قبول کرنے پر زور دینے لگا۔ آخر اس نے یہاں تک کیا کہ ایک حکم نامہ امام صاحب کو بھیج دیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

بصرہ، کوفہ اور بغداد اور جو علاقے ان صوبوں کے تحت ہیں، ان کا قاضی تمہیں بنایا گیا ہے۔''

دراصل منصور کسی نہ کسی طرح امام صاحب کو گھیرنا چاہتا تھا... اپنی دشمنی ان سے نکالنا چاہتا تھا... اور وہ دشمنی یہی تھی کہ آپ نے اس کے مقابلے میں ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔

ایسے میں ایک دن منصور کے وزیر عبدالملک بن حمید آپ کے پاس آئے۔ یہ آپ سے

بہت عقیدت رکھتے تھے۔ انھوں نے آ کر کہا:

''خلیفہ تو صرف حیلے بہانے کی تلاش میں ہے۔ اگر آپ نے اس کی بات نہ مانی تو وہ آپ کے ساتھ وہ سلوک کرے گا کہ ہم اس کے بارے میں سوچ کر ہی کانپ جاتے ہیں۔''

امام صاحب کے نزدیک اب دو راستے تھے۔ منصور کی بات مان لیتے اور اپنی زندگی بچا لیتے۔ یا پھر اس کی بات کو نہ مان کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور اپنے مقام کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر جاتے۔

آپ کے روز روز کے انکار سے منصور تنگ آ گیا تھا... آخر اس نے ایک دن آپ کو بلایا اور کہا:

''آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا ہوگا۔''

آپ نے فوراً جواب دیا۔

''میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا۔''

منصور نے یہ سن کر کہا:

''تم جھوٹ کہتے ہو۔''

جواب میں امام صاحبؒ نے فرمایا:

''اگر میں جھوٹا ہوں، تب تو اس عہدے کے واقعی قابل نہیں ہوں... قاضی کے عہدے پر کسی جھوٹے آدمی کا کیا کام۔''

آپ کا یہ جواب بھی بلا دلیل نہیں تھا۔ لیکن منصور نہ مانا... اس نے قسم کھا کر کہا:

''یہ عہدہ تو تمھیں قبول کرنا ہی ہوگا۔''

امام صاحب نے بھی قسم کھا کر کہا:

''ہرگز قبول نہیں کروں گا۔''

منصور کا وزیر ربیع چلا اٹھا:

''ابو حنیفہ! تم خلیفہ کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔''

انھوں نے فرمایا:

''ہاں! میں قسم کھاتا ہوں۔''

آخر منصور نے حکم دیا:

''انھیں قید میں ڈال دیا جائے۔''

آپ کو قید میں ڈال دیا گیا۔ ایسا سن 146 ہجری میں ہوا۔ قید میں ڈالنے کے بعد بھی منصور کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا... دوسرے یہ کہ وہ ان کی طرف سے خطرہ محسوس کرتا تھا... کیونکہ اسلامی ملکوں سے، ہر طرف سے لوگ مسائل پوچھنے کے لیے بغداد کا رخ کرنے لگے تھے، آپ کے پاس آنے لگے تھے۔ آپ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ امام صاحب کو منصور نے قید میں ڈال دیا ہے تو لوگوں کی ان سے محبت اور بڑھ گئی۔ بغداد میں عالموں کی جماعت کا شہر میں بہت اثر تھا۔ یہ جماعت بھی امام صاحب کی بہت عقیدت مند تھی۔ امام محمد تو قید کی حالت میں ہی آپ سے علم حاصل کرتے رہے۔

قید کی حالت میں بھی آپ سے بار بار کہا گیا کہ عہدہ قبول کرلو... مگر آپ انکار ہی کرتے رہے... آپ جواب میں کہتے تھے:

''قاضی بننے کے لیے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو تمھارے خلاف بھی فیصلہ کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔ اگر تمھارے خلاف بھی فیصلہ کرنے کا موقع میرے سامنے آگیا تو میں ایسا ہی کروں گا۔ میں موت کو تو قبول کرلوں گا، اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔''

تاریخی روایات یہ بھی کہتی ہیں کہ منصور نے امام صاحب کو کوڑے بھی لگوائے۔

منصور نے جب دیکھا کہ امام ابو حنیفہ تو قید میں رہتے ہوئے بھی اپنا کام کر رہے ہیں... اور اس کی بات کسی طرح بھی نہیں مان رہے تو آخر اس نے آپ کو زہر دے دینے کا حکم دیا۔

آپ کو کھانے کی کسی چیز میں زہر دے دیا گیا... جونہی آپ نے زہر کا اثر محسوس کیا، آپ سجدے میں گر گئے اور اسی حالت میں وفات پا گئے۔

امام صاحب کی وفات کی خبر بہت تیزی سے چاروں طرف پھیل گئی۔ سارا بغداد امنڈ پڑا۔ شہر کے قاضی حسن بن عمارہ تھے۔ انھوں نے غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

''واللہ! آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ، بڑے عابد، بڑے زاہد تھے... آپ میں تمام خوبیاں جمع تھیں... اب آپ کا کوئی جانشین آپ کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکے گا۔''

غسل دیتے دیتے لوگ اس کثرت سے جمع ہو گئے کہ کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تو ضرور ہو گا... اس پر بھی ان گنت لوگ آ رہے تھے... آنے والوں کا تانتا بندھا تھا... اس طرح چھ مرتبہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ عصر کے قریب آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ انھیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ ان کے خیال میں یہ جگہ غصب کی ہوئی نہیں تھی۔ آپ کی وصیت کے مطابق خیزران کے مشرقی جانب ان کی قبر تیار کی گئی۔

اس وقت اردگرد کے تمام ملکوں میں بڑے بڑے ائمہ موجود تھے۔ ان میں بعض تو امام صاحب کے استاد بھی تھے۔ سب نے ان کی وفات کا بہت اثر لیا۔ ابنِ جریج مکہ میں تھے۔ انھیں وفات کی اطلاع ملی تو بولے:

''بہت بڑا عالم جاتا رہا۔''

شعبہ بن حجاج بصرہ کے امام تھے۔ کوفہ میں آپ کے استاد بھی رہے تھے۔ انھیں خبر ملی تو بول اٹھے:

''کوفہ میں اندھیرا ہو گیا۔''

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بغداد آئے تو امام صاحب کی قبر پر جا کر کہا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ ابراہیم نخعیؒ نے مرنے کے بعد اپنا جانشین چھوڑا، حماد بن ابی سلیمان نے مرنے کے بعد اپنا جانشین چھوڑا مگر آپ نے روئے زمین پر اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔'' (یعنی آپ جیسا کوئی عالم آپ کے بعد نہیں ہوا)

یہ کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔

ایک مدت تک لوگ آپ کی قبر پر آتے رہے... ہر وقت ہجوم رہتا تھا... اور آج بھی رہتا ہے۔

خلیفہ ہارون رشید نے ایک مرتبہ امام ابو یوسف سے کہا:

''امام ابو حنیفہؒ کے اوصاف بیان کیجیے۔''

انھوں نے جواب میں کہا:

''جہاں تک میں جانتا ہوں، ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے، وہ نہایت پرہیز گار تھے۔ اکثر خاموش رہتے تھے، سوچ اور فکر میں گم رہتے تھے۔ کوئی شخص ان سے مسئلہ پوچھتا، انھیں معلوم ہوتا تو بتا دیتے، ورنہ خاموش رہتے۔ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ کسی سے حاجت کا اظہار نہ کرتے، اہلِ دنیا سے پرہیز کرتے تھے۔ دنیا کی شان و شوکت کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بہت بچتے تھے۔ جب بھی کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے تھے۔ بہت بڑے عالم تھے اور مال کی طرح علم کے خرچ کرنے میں

بھی سخی تھے۔''

یہ سب باتیں سن کر ہارون رشید نے کہا۔

''صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں۔''

امام صاحب بہت بڑے تاجر تھے۔ لاکھوں کا لین دین کرتے تھے، اکثر شہروں میں ملازم موجود تھے۔ دیانت کا حال یہ تھا کہ ناجائز طور پر ایک پیسہ بھی ان کے مال میں شامل نہیں ہوا۔

امام صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے۔ ان میں سے چالیس وہ ہیں جو فقہ کی تدوین میں آپ کے ساتھ شریک رہے۔ ان حضرات نے بھی امام صاحبؒ کے ساتھ بہت اہم کام انجام دیا۔ یہ سب کے سب بلند مرتبہ لوگ تھے۔ مطلب یہ کہ جس شخص کے شاگرد اتنے بلند مرتبہ تھے، خود وہ کس مرتبے کا عالم ہوگا۔

وکیع بن جراح ایک مشہور محدث تھے۔ کسی نے ایک مسئلے کا ذکر ان سے کیا اور کہا:

''ابوحنیفہ نے اس مسئلے میں غلطی کی۔''

اس پر وکیع بن جراح بولے:

''ایسا کہنا درست نہیں، کیوں کہ ابو یوسف اور زفر قیاس میں، یحییٰ بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل حدیث میں، محمد بن حسن اور قاسم بن معن لغت اور عربیت میں داؤد طائی اور فضیل بن عیاض زہد اور تقویٰ میں بلند ترین مرتبے کے لوگ ان کے ساتھ تھے۔ ایسے لوگ جس کے ساتھ ہوں، وہ کیسے غلطی کر سکتا ہے اور اگر کرتا بھی تو یہ لوگ کیا اسے غلطی پر رہنے دیتے؟''

جو لوگ امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے، وہ بڑے بڑے ائمہ کے استاد تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ کہا کرتے تھے:

''میں نے امام محمدؒ سے ایک اونٹ پر لدے ہوئے علم جتنا علم حاصل کیا ہے۔''

یہ وہی امام محمدؒ ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد خاص ہیں۔ان کی تمام عمر امام صاحب کی حمایت میں گزری۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ واقعی اس پائے کے عالم تھے کہ اگر یہ امام ابوحنیفہ سے الگ اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی طرح لوگ ان کی بھی تقلید کرنے والے بن جاتے۔

چند بہت ہی مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

یحییٰ بن سعید، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن زکریا، وکیع بن جراح، یزید بن ہارون، حفص بن غیاث، ابو عاصم نبیل، عبدالرزاق بن حمام، داؤد طائی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، قاسم بن معن، اسد بن عمر، علی بن مسہر، عافیہ بن یزید، حبان، مندل رحمہم اللہ۔

قاضی حسن بن عمارہ نے آپ کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا:

''اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے اپنے بعد ایسے شاگرد چھوڑے ہیں جو آپ کے علم کے خلف بن سکتے ہیں مگر زہد اور تقویٰ میں اللہ کی توفیق ہی سے خلف بن سکتے ہیں۔''

امام صاحب کی اولاد میں صرف حماد کا ذکر ملتا ہے۔ان کا نام حماد، امام صاحب نے اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کے نام پر رکھا تھا۔آپ کے یہ فرزند فقہ اور حدیث دونوں کے عالم تھے۔ان کے بیٹے اسماعیل بن حماد خلیفہ مامون رشید کے زمانے میں بصرہ کے قاضی تھے۔

امام صاحب کے بہت سے حکیمانہ قول کتابوں میں ملتے ہیں۔ان میں سے چند یہاں درج کیے جاتے ہیں:

○ علمائے دین کے واقعات بیان کرنا اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا میرے نزدیک

بہت سی فقہی بحثوں سے بہتر ہے، کیونکہ ان کے قول اوران کی مجلسیں، ان کے اپنے آداب ہیں اوراخلاق ہیں۔

○ کوئی شدید ضرورت پیش آئے تو پہلے اس کو پورا کرلو، اسے پورا کیے بغیر کھانا نہ کھاؤ، کیونکہ ایسی حالت میں کھانا عقل میں فتور پیدا کرتا ہے۔

○ جوشخص وقت سے پہلے عزت اور شرف کا طلب گار ہوگا، وہ زندگی بھر ذلیل رہے گا۔

○ جوشخص علمِ دین دنیا کے لیے حاصل کرے گا، اس کی برکت سے محروم رہے گا اور علم اس کے دل میں پختہ نہیں ہوگا۔ نہ اس سے کسی کو نفع پہنچے گا۔

○ سب سے بڑی عبادت اللہ پر ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔

○ جوشخص فقہ کی سمجھ کے بغیر حدیث پڑھتا ہے، وہ اس دوافروش کی طرح ہے جو دوا تو فروخت کرتا ہے مگر نہیں جانتا کہ وہ کس مرض کے لیے ہے۔ یہ بات اسے طبیب بتاتا ہے۔ بالکل اسی طرح محدث حدیث جانتا ہے مگر وہ فقہ کا محتاج ہے۔

○ اگر علمائے دین اللہ تعالیٰ کے ولی نہیں تو کون ہوگا۔

○ میں نے ابتدا میں گناہ کے کام ذلت اور رسوائی کے ڈر سے چھوڑے اور آخر میں یہ عمل دین اور دیانت بن گیا۔

○ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مجھے اپنے سامنے کھڑا کرے گا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اوران کے معاملات کے بارے میں سوال نہیں کرے گا، بلکہ جن باتوں کا مجھ سے سوال ہوگا، مجھے ان کی فکر کرنی چاہیے۔

امام صاحب یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

عرش والے کی عطا تمہاری عطا سے بہتر ہے اور اس کی دین وسیع ہے جن کی امید کی

جاتی ہے۔ تم جو کچھ دیتے ہو، اس کو تمھارا احسان جتانا خراب کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بلا احسان جتائے، بلا کسی خرابی کے دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر ہزار ہا رحمتیں ہوں۔ آمین۔

OO

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

''ماں! میں علم حاصل کروں گا۔''

اپنے بچے کی بات سن کر ماں خوش ہوئی اور اس سے بولی۔

''تو پھر آؤ! میں تمھیں علمِ دین کا لباس پہنا دوں۔''

ماں نے اپنے بچے کو کپڑے پہنائے، سر پر ٹوپی رکھی، اس کے اوپر عمامہ باندھا، پھر بولی:

''اب تم استاد ربیعہ کے پاس چلے جاؤ، اور ان سے علم سیکھنے سے پہلے ان سے ادب سیکھو۔''

ربیعہ بن ابو عبدالرحمٰن اس وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ ربیعہ رائی کے نام سے مشہور تھے۔ حدیث اور فقہ کے نامی گرامی علماء ان کے شاگرد تھے۔ ان کے درس کے حلقے میں بیٹھتے تھے اور درس کا یہ حلقہ مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا، تو ان ربیعہ رائی کے درس میں یہ بچہ شریک ہوا۔

ربیعہ رائی کے علاوہ اس بچے نے اسی زمانے کے امام نافع مدنی سے بھی علم حاصل کیا۔ یہ نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام تھے۔ علم نے انھیں امام بنا دیا تھا۔ خود یہ بچہ

اس بارے میں بتایا کرتا تھا:

''میں اپنے ملازم کے ساتھ امام نافع کے ہاں جاتا تھا۔ وہ اوپر سے اتر کر زینے پر بیٹھ جاتے اور مجھ سے حدیث بیان کرتے۔ میں دوپہر کے وقت ان کے پاس جاتا تھا۔ اس وقت راستے میں کہیں سایہ نہیں ملتا تھا۔ میں ان کے ہاں پہنچتا تو وہ باہر آجاتے۔ میں ان سے سوال کرتا:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فلاں فلاں مسئلے میں کیا کیا کہا ہے؟''

وہ بیان کرتے اور میں سنتا رہتا۔

یہ بچہ عبدالرحمٰن بن ہرمز کے پاس صبح کے وقت جاتا تھا اور رات کو وہاں سے آتا تھا۔ اس طرح اپنے بچپن میں اس نے تین تین اساتذہ سے علم حاصل کیا۔

یہ بچہ مالک بن انس تھا۔ ان کا خاندان اصلاً یمن کا رہنے والا تھا۔ پھر وہاں سے مدینہ منورہ میں آباد ہوا۔ ان کا تعلق ذو اصبح قبیلے سے تھا۔ اس لیے اصبحی کہلاتے تھے۔ امام مالک بھی اصبحی کہلائے۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد ان کے دادا مالک اصبحی نے قریش کے قبیلے بنی تیم میں شادی کی۔

آپ کے دادا کے والد حضرت ابو عامر کو بعض علماء نے صحابی شمار کیا ہے۔ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اس طرح ان کے بیٹے مالک بن ابو عامر بڑے تابعین میں سے ہیں۔ یہ بہت بڑے عالم فاضل بزرگ تھے۔ بہت سے صحابہ سے انھوں نے احادیث لیں۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ انس ان میں سب سے بڑے تھے۔ چاروں اپنے وقت کے عالم تھے، محدث تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سن 93 ہجری میں علاقہ بن جرف کے ایک حصے ذی مروہ میں

پیدا ہوئے۔

اس طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عمر میں امام مالک سے 13 سال بڑے ہیں۔آپ نے امام مالک کے بچپن میں آپ کو دیکھا تھا۔ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا:

''مدینہ منورہ کے لڑکوں کو آپ نے کیسا پایا؟''

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

''ان میں سے کوئی اونچا جائے گا تو وہ ہے مالک۔''

امام ابوحنیفہ نے ایک بار فرمایا۔

''میں نے مدینہ منورہ میں علم کو بکھرا ہوا پایا ہے۔اگر کوئی اسے جمع کرے گا تو یہی لڑکا... یعنی مالک۔''

ابن غالم کہتے ہیں:

''بعد میں میں نے ابوحنیفہ کی یہ بات امام مالک کو بتائی... یعنی انھیں بتایا کہ آپ کے بچپن میں آپ کے بارے میں امام ابوحنیفہ نے یہ کہا تھا تو امام مالک نے فرمایا، ابوحنیفہ بہت سوجھ بوجھ کے مالک تھے... کاش وہ فقہ کی بنیاد مدینہ منورہ میں رکھتے۔''

امام مالکؒ نے اپنے ابتدائی دور میں کپڑے کی تجارت بھی کی ہے۔آپ کا گھرانہ دینی تھا۔مدینہ منورہ میں اس وقت احادیث عام روایت کی جاتی تھیں... آپ کے استاد حضرت نافع نابینا ہو گئے تو امام مالک انھیں ان کے مکان سے مسجد نبوی میں لاتے تھے... پھر ان سے احادیث پوچھتے۔

آپ ابوداؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز کے حلقہ درس میں بھی بیٹھتے تھے۔یہ ابوداؤد عبدالرحمٰن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے اور ان کے علم کے وارث تھے۔

امام مالک کے بچپن کے اساتذہ میں سے ایک صفوان بن سلیم بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے ایک دن اپنے شاگرد سے ایک خواب کی تعبیر معلوم کی۔ اس پر امام مالک نے عرض کیا:

"حضرت! آپ جیسے بزرگ مجھ سے کوئی بات معلوم کریں، یہ بات عجیب سی لگتی ہے۔"

اس پر استاد بولے:

"بھتیجے! کوئی بات نہیں، اس میں کیا حرج ہے، میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں آئینہ دیکھ رہا ہوں۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً کہا:

"اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ اپنی عاقبت سنوار رہے ہیں اور اپنے رب کی قربت حاصل کرنے میں لگے ہیں۔"

استاد یہ تعبیر سن کر خوش ہوئے اور بولے:

"آج تم مویلک ہو، زندہ رہے تو مالک ہو جاؤ گے، اے مویلک! جب تم واقعی مالک بن جاؤ تو اللہ سے ڈرنا، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔"

امام مالک کہتے ہیں کہ اس زمانے میں لوگ مجھے پیار سے مویلک کہتے تھے۔ آپ کے ان استاد ابو عبداللہ صفوان بن سلیم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان جیسے بڑے صحابہ سے حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ یہ اس قدر زاہد اور عبادت گزار تھے کہ اگر انھیں خبر دی جاتی کہ کل قیامت آنے والی ہے تو انھیں مزید عمل کی ضرورت نہ پڑتی۔ امام مالک کہتے ہیں۔

''میرے استاد صفوان سردیوں میں چھت پر اور گرمی میں رات کے وقت اندر نماز پڑھتے تھے... تاکہ سردی اور گرمی کی وجہ سے رات کو جاگنے میں مدد ملے۔''

امام مالک کے اساتذہ میں امام محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ بہت اہم شخصیت تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بہت علم حاصل کیا۔ امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہم حدیث کے طلبہ امام ابنِ شہاب زہریؒ کے مکان کے دروازے پر جمع ہوتے تھے۔ وہاں بھیڑ لگ جاتی تھی۔ جب دروازہ کھلتا تو اندر جاتے وقت دھکم پیل کرتے تھے۔ جب وہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے قول ہمیں سناتے تو ہم ان سے پوچھتے:

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے یہ اقوال آپ تک کیسے پہنچے۔''

اس کے جواب میں وہ فرماتے:

''ان کے صاحبزادے حضرت سالم نے مجھ سے بیان کیے ہیں۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ عید کے دن میں عید کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر جانے کے بجائے امام ابن شہاب زہری کے ہاں چلا آیا۔ دستک دی تو امام زُہری نے باندی سے کہا:

''دیکھو! باہر کون ہے؟''

باندی نے انھیں میرا نام بتایا۔ انھوں نے اندر آنے کی اجازت دی۔ تب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے دیکھتے ہی کہا:

''میرا خیال ہے، عید کی نماز پڑھ کر تم اپنے گھر نہیں گئے... سیدھے ادھر آگئے ہو... لہٰذا کھانا کھالو۔''

میں نے کہا:

''کھانے کی حاجت نہیں... بس آپ احادیث بیان کردیں۔''

انھوں نے اسی وقت 17 حدیثیں بیان کیں اور کہا:

''اس طرح تمھیں کیا فائدہ ہوگا کہ میں احادیث بیان کروں اور تم یاد نہ کرو۔''

اس پر میں نے کہا:

''آپ فرمائیں تو میں ابھی یہ تمام احادیث آپ کو سنادوں۔''

انھوں نے کہا:

''سناناذرا۔''

اور میں نے سترہ احادیث سنادیں۔

اس پر امام شہاب زہری نے چالیس احادیث مزید بیان کردیں اور فرمایا:

''اگر تم ان کو یاد کرلوگے تو ان کے حافظ کہلاؤ گے۔''

اس پر میں نے کہا:

''میں انھیں ابھی سنا سکتا ہوں۔''

ابن شہاب زہری بولے:

''اچھا... سناؤ۔''

میں نے وہ تمام احادیث سنادیں۔ اب انھوں نے فرمایا:

''اٹھو! تم علم کا خزانہ ہو۔''

یا یہ کہا:

''تم علم کے بہترین خزانہ ہو۔''

امام مالک کے سب سے پہلے استاد ربیعہ رائی ہیں۔ان کے بارے میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں:

"ربیعہ کے بعد فقہ کی شیرینی ختم ہوگئی۔"

دوسرے استاد امام ابن شہاب زہریؒ ہیں۔ان کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں:

"میں نے ایک شخص کے علاوہ مدینہ منورہ میں کسی کو فقیہ اور محدث نہیں پایا اور وہ ہیں ابن شہاب زہری۔"

ابن شہاب زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ معتبر امام مالک ہیں۔علی بن مدینی نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

"آپ نے امام مالک کو دیکھا ہے؟"

انھوں نے جواب دیا:

"ہاں! میں نے انھیں ابن شہاب زہری کے ہاں دیکھا ہے۔"

علی بن مدینی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے حساب لگایا، امام صاحب 28 سال کے تھے۔اس سے پہلے وہ امام نافع کے درس میں بیٹھتے تھے۔

امام مالک مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔مدینہ منورہ ہی میں پوری تعلیم حاصل کی۔علم کی طلب میں مدینہ منورہ سے باہر نہیں گئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں مدینہ منورہ علم اور علمائے دین کا مرکز تھا۔پوری دنیا سے لوگ علم حاصل کرنے وہاں آتے تھے۔

بصرہ کے ابو العالیہ ریاحی کہتے ہیں:

"ہم لوگ بصرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث سنتے تھے... لیکن اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے تھے جب تک خود مدینہ منورہ میں آ کر ان صحابہ سے وہ

احادیث نہ سن لیتے۔... اسی لیے امام صاحب نے یہیں رہ کر علم حاصل کیا۔

آپ فرماتے ہیں:

''میں نے اس شہر مدینہ میں ایسے بزرگوں کو پایا ہے جن کے وسیلے سے لوگ بارش کی دعا کرتے تھے تو بارش ہو جاتی تھی... ایسے حضرات نے بھی احادیث بیان کی ہیں... لیکن میں نے ایسے حضرات سے احادیث نہیں لیں... احادیث ایسے لوگوں سے لی ہیں کہ روایت کرنے والے سمجھ سکیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور کل اس کا انجام کیا ہوگا...

آپ فرماتے ہیں، میں نے بہت سے ایسے عالم لوگوں کو دیکھا ہے جنھوں نے امام صاحب کا زمانہ پایا ہے... لیکن آپ نے ان سے احادیث نہیں لیں...

مطلب یہ کہ ایسے حضرات علم حدیث کے ماہر نہیں تھے... ایک مرتبہ امام مالک سے کسی نے پوچھا:

''کیا وجہ ہے، آپ نے عمرو بن دینار سے حدیث نہیں پڑھی۔''

جواب میں آپ نے فرمایا:

''وہ حدیث بیان کر رہے تھے اور طلبہ کھڑے کھڑے حدیث لکھ رہے تھے۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگا، اس لیے ان سے حدیث نہیں پڑھی۔''

ایک مرتبہ آپ ابوزناد کے حلقہ درس سے گزرے مگر وہاں نہ ٹھہرے۔ ابوزناد نے بھی دیکھ لیا۔ بعد میں انھوں نے پوچھا:

''آپ میرے ہاں کیوں نہیں بیٹھے؟''

آپ نے جواب دیا:

''جگہ تنگ تھی اور میں نے کھڑے ہو کر حدیث رسول حاصل کرنا مناسب نہ سمجھا۔''

امام صاحب عام سی معاشی زندگی بسر کرتے تھے۔ قاضی عیاض نے ان کے والد کے بارے میں نقل کیا ہے:

''وہ تیر سازی کے ذریعے زندگی بسر کرتے تھے۔''

امام مالک کے بھائی نظر بن انس بزازی کرتے تھے۔ ان کے ساتھ امام مالک بھی اسی کام میں لگ گئے تھے۔ اس کام سے انھیں اتنی آمدنی نہیں ہوتی تھی کہ آسانی کے ساتھ طالب علمی کا دور گزار سکیں۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فراخی اور خوش حالی عطا فرمائی۔ ورنہ طالب علمی کے زمانے میں تو آپ نے بعض اوقات اپنے مکان کی چھت کی لکڑیاں بیچ کر کام چلایا۔ اس کے بعد آپ کو آسانی ہوئی۔ آپ لوگوں سے الگ تھلگ درختوں کے سائے میں بیٹھ کر حدیث یاد کیا کرتے تھے۔ جب ان کی بہن اس بات کا ذکر والد صاحب سے کرتی تو وہ کہتے:

''تمھارے بھائی تنہائی میں بیٹھ کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث یاد کرتے ہیں۔''

امام مالک کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ زرقانی نے کہا ہے کہ آپ کے اساتذہ کی تعداد نوسو سے زیادہ تھی۔ غافقی نے ان میں سے 95 نام گنوائے ہیں۔ ہم یہاں صرف چند نام لکھتے ہیں:

ربیعہ رائی، نافع مولیٰ ابنِ عمر، محمد بن شہاب زہری، عامر بن عبداللہ بن زبیر، نعیم بن عبداللہ، زید بن اسلم، حمید الطول، سعید مقبری، ابو حازم، سلمہ بن دینار، شریک بن عبداللہ، محمد بن منکدر، یحییٰ بن سعید، ایوب سختیانی، مخرمہ بن بکیر رحمہم اللہ۔

آپ صرف 17 سال کی عمر میں دینی علوم میں درجہ کمال کو پہنچ گئے تھے اور اسی عمر

میں اپنے اساتذہ کی اجازت سے درس دینے لگے تھے۔امام صاحب خود فرماتے ہیں:

''جب تک 70 علمانے میرے بارے میں یہ شہادت نہیں دی کہ میں فتویٰ دینے کا اہل ہوں، اس وقت تک میں نے فتویٰ نہیں دیا۔آپ نے جب فتویٰ دینا شروع کیا، اس وقت آپ کے کئی استاد زندہ تھے... گویا آپ ان کی زندگی ہی میں فتویٰ دیتے تھے...

ایوب سختیانی آپ کے استاد تھے۔وہ کہتے ہیں:

''میں حضرت نافع کی زندگی میں مدینہ منورہ گیا۔اس وقت مالک کا حلقہ درس اور افتاء قائم تھا۔

امام صاحب کے درس اور افتاء کے حلقے میں آپ کے استاد بھی شریک ہوتے تھے۔

امام صاحب فرماتے ہیں:

''میرے اساتذہ میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جنھوں نے مرنے سے پہلے میرے پاس آکر مجھ سے فتویٰ نہ پوچھا ہو۔''

امام صاحب کا حلقہ دو جگہ لگتا تھا۔ایک مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے ریاض الجنہ میں۔ یہاں امام صاحب اپنے استاد نافع کی زندگی میں بیٹھ کر ان سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔ دوسرا حلقہ وادیٔ عقیق کے مقامِ جرف میں۔یہاں آپ کا ذاتی مکان تھا۔

آپ کے بیٹھنے کی جگہ پر دائیں بائیں تکیے رکھے جاتے تھے۔عود سلگائی جاتی تھی۔ مجلس میں شور اور ہنگامہ نہیں ہوتا تھا۔قریش اور انصار کے علاوہ بیرونی طلبہ کی بھیڑ رہا کرتی تھی۔اس کے باوجود مجلس کے آداب کا اس قدر خیال رکھا جاتا تھا کہ سکون میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا۔بیرونی طلبہ اگر کوئی سوال کرتے تو امام صاحب باری باری ان کے جوابات دیتے تھے۔حدیثِ رسول کا ادب ہر حال میں برقرار رکھا جاتا تھا۔

درس کا طریقہ یہ تھا کہ امام صاحب کے خاص کاتب حبیب حدیث پڑھتے تھے اور تمام طلبہ خاموشی سے درس سنتے تھے۔ کوئی طالب علم بھی امام صاحب کے رعب کی وجہ سے نہ اپنی کتاب میں دیکھتا تھا، نہ کوئی سوال کرتا تھا، اگر حبیب سے کوئی غلطی ہو جاتی تو امام صاحب اسے درست کر دیتے تھے۔

امام صاحب کے دروازے پر طلبہ کا ہجوم ہو جاتا تو انھیں اندر لانے کا حکم دیتے تھے۔ پہلے خاص خاص طلبہ کو بلاتے، پھر باقی کو۔ کبھی امام صاحب خود بھی اپنی کتاب طلبہ کے سامنے پڑھتے تھے۔ یحییٰ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے 14 مرتبہ امام صاحب سے مؤطا سنی ہے۔

خلیفہ ہارون ایک مرتبہ حج کے موقعے پر مدینہ منورہ گئے۔ امام مالک ان سے ملاقات کے لیے گئے۔ خلیفہ بہت عزت و احترام سے پیش آئے۔ اپنے دونوں صاحب زادوں کو حکم دیا:

"امام صاحب سے حدیث پڑھیں۔"

اس پر امام مالک نے کہا۔

"امیر المومنین! علم کا احترام واجب ہے۔ اس لیے عالم کے پاس جانا چاہیے، نہ کہ اسے اپنے پاس بلانا چاہیے۔"

خلیفہ نے امام صاحب کی اس بات کو تسلیم کیا اور صاحب زادوں کو آپ کی خدمت میں بھیج دیا... اور ساتھ میں کہلوا بھیجا۔

"آپ انھیں حدیث پڑھ کر سنائیں۔"

امام صاحب نے جواب میں کہلا بھیجا:

''اس شہر میں استاد کے سامنے پڑھا جاتا ہے جس طرح بچہ اپنے استاد کے سامنے پڑھتا ہے۔ جب بچہ غلطی کرتا ہے تو استاد صحیح کر دیتا ہے۔''

صاحب زادوں نے خلیفہ کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی۔ خلیفہ نے امام صاحب کو پیغام بھیجا:

''آپ نے دونوں صاحب زادوں کو بلانے کے بعد انھیں پڑھانے سے انکار کر دیا؟''

امام صاحب نے جواب میں کہلوایا:

''امیر المومنین! میں نے ابن شہابؒ سے سنا ہے کہ ہم نے سعید بن مسیب، ابو سلمہ، عروہ بن زبیر، سالم، خارجہ، سلیمان اور نافع رحمہم اللہ سے اسی طرح اس مقام میں علم حاصل کیا اور پھر ابن ہرمز، ابوزناد، ربیعہ اور ابن شہاب کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تھی، وہ حضرات خود نہیں پڑھتے تھے۔''

یہ پیغام سن کر ہارون رشید نے صاحب زادوں سے کہا:

''تم خود جا کر پڑھو۔''

یحییٰ اندلسیؒ مدینہ منورہ آئے... اور آپ کے درس میں شریک ہوئے... یہ اندلس کے علماء میں بہت مرتبے اور مقام کے مالک تھے... ایک دن شور ہوا کہ ہاتھی آیا ہے... اس شور کے ساتھ ہی تمام طلبہ اٹھ کر ہاتھی کو دیکھنے کے لیے چلے گئے (وہاں ہاتھی نایاب جانور تھا)... مگر یہ یحییٰ اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ امام صاحب نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''جاؤ! تم بھی ہاتھی دیکھ آؤ۔''

یحییٰ نے جواب دیا۔

"حضرت! میں اپنے شہر سے آپ کو دیکھنے اور آپ سے علم و ادب سیکھنے کے لیے آیا ہوں، ہاتھی دیکھنے کے لیے نہیں آیا۔"

امام صاحب اپنے لائق شاگرد کا یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور انھیں اندلس کے عاقل کا خطاب دے دیا۔ یہ یحییٰ جب اندلس پہنچے تو وہاں ان کے علم و فضل کی شہرت یوں ہوئی کہ بڑے علماء، ان سے پیچھے رہ گئے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی درس گاہ سے علم حاصل کرنے والے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قاضی عیاض نے ان کو گننا شروع کیا تو تعداد تیرہ سو تک پہنچ گئی۔

امام ذہبیؒ نے لکھا ہے:

"امام مالک سے اتنے لوگوں نے حدیث کی روایت کی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔"

امام صاحب کے اساتذہ تک نے آپ سے احادیث لی ہیں۔ مدینہ منورہ میں یہ اعلان کیا جاتا تھا۔

"امام مالک اور ابن ابی ذئب کے علاوہ کسی سے فتویٰ نہ لیا جائے۔"

علماء سے کہا جاتا تھا۔

"ان کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔"

آج تو لوگ بے دھڑک فتوے دے دیتے ہیں... اس زمانے میں ایسا نہیں تھا... امام مالک جیسے لوگ بلا جھجک یہ کہہ دیا کرتے تھے:

"اس بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔"

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں، ہم امام مالک کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

''حضرت! میں چھ ماہ کا سفر کر کے یہاں پہنچا ہوں... میرے شہر والوں نے چند مسائل پوچھنے کے لیے مجھے خاص طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے۔''

یہ سن کر آپ نے پوچھا:

''تم کیا پوچھنے کے لیے آئے ہو؟''

اس نے وہ مسائل سامنے رکھے... امام صاحب نے سن کر کہا:

''مجھے ان مسائل کے بارے میں تحقیق نہیں۔''

آپ کا جواب سن کر وہ شخص حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے کہا۔

''حضرت میں نے آپ کو بتایا ہے... میں چھ ماہ کا طویل سفر کر کے یہاں آیا ہوں... شہر کے لوگوں نے خاص طور پر مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے... اور آپ کہہ رہے ہیں... مجھے ان مسائل کے بارے میں تحقیق نہیں... اب میں شہر والوں کو جا کر کیا جواب دوں گا...''

امام صاحب نے کہا:

''تم ان سے کہنا کہ مالک نے کہا ہے کہ وہ ان مسائل کے متعلق کوئی تحقیق نہیں رکھتا۔''

ہیثم بن جمیل کہتے ہیں:

''میرے سامنے امام صاحب سے 48 مسائل پوچھے گئے۔ ان میں سے 33 مسائل کے جواب میں انھوں نے کہا، میں نہیں جانتا۔''

خالد بن فروش کہتے ہیں:

''میں نے امام صاحب سے 40 مسائل معلوم کیے، آپ نے ان میں سے صرف پانچ کا جواب دیا۔''

ابن وہب کہتے ہیں:

''امام مالک اکثر مسائل میں کہتے تھے... میں نہیں جانتا۔''

امام صاحب خود فرماتے ہیں:

''میں اکثر اوقات ایک مسئلے کی تحقیق کے لیے تمام رات جاگتا ہوں اور ایک مسئلے میں تو میں دس سال سے غور کر رہا ہوں مگر اب تک صحیح فیصلہ نہیں کر سکا۔''

ایک شخص نے آپ سے پوچھا:

''اس کا کیا مطلب ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے عرش پر قرار پکڑا؟''

جواب میں امام صاحب نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا تو معلوم ہے... اس کی کیفیت سمجھ سے باہر ہے... اس کے بارے میں بات کرنا بدعت ہے اور اس پر ایمان رکھنا فرض ہے...''

ایک شخص کسی غلط فرقے کا تھا۔ اس نے آکر کہا:

''ابو عبداللہ! میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں... آپ پہلے میری بات سن لیں، پھر میں آپ سے بحث کروں گا۔''

آپ نے اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ صرف اتنا فرمایا:

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے دین کو لڑائی جھگڑے کا نشانہ بنائے گا، وہ دین بدلتا رہے گا۔''

ایک شخص نے امام صاحب سے باطنی علم کے بارے میں پوچھا۔ اس پر امام صاحب نے غصے ہو کر فرمایا:

''باطنی علم بھی وہی جانتا ہے جو ظاہری علم جانتا ہے۔ یہ علم دل میں نور پیدا ہونے پر ملتا ہے۔ تم خالص دین اختیار کرو۔ خبردار ادھر اُدھر کی باتوں پر نہ جاؤ... جو جانتے ہو، اس کو لے

لو اور جو نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو..."

کوئی غلط عقیدے کا آدمی آپ کے پاس آتا تو آپ یہ کہہ کر اس سے الگ ہو جاتے۔

"میں تو اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور تم شک و شبہے میں مبتلا ہو... تم اپنے جیسے آدمی سے بحث مباحثہ کرو۔"

امام صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے:

"جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا دل روشن ہو، موت کی سختی سے نجات ہو، قیامت کی سختیوں سے محفوظ رہے، اس کا باطنی عمل ظاہری عمل جیسا ہونا چاہیے۔"

مصعب بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب امام صاحب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہوتا تھا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ سر نیچے جھک جاتا تھا۔ کہتے تھے:

"میں نے جو کچھ دیکھا ہے، اگر تم لوگ دیکھتے تو تعجب نہ کرتے۔ محمد بن منکدر بہت بڑے قاری تھے۔ ہم لوگ ان سے کوئی حدیث معلوم کرتے تو رونے لگتے تھے، ایک مدت تک ان کے ہاں آیا گیا ہوں... میں نے انھیں ہمیشہ تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں دیکھا ہے... نماز میں مشغول ہیں، روزے سے ہیں یا پھر تلاوت میں مصروف رہتے تھے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث باوضو بیان کرتے تھے... بہت بڑے عابد اور زاہد تھے... میں ان کے ہاں جاتا تو تکیہ رکھ دیتے... جب میں اپنے دل میں سختی پاتا ہوں تو انھیں ایک نظر دیکھ لیتا ہوں... اسی طرح کئی دن تک میرا نفس نیک اثرات محسوس کرتا رہتا ہے..."

امام صاحب کا معمول تھا کہ ہر ماہ کی پہلی رات کو تمام رات عبادت کیا کرتے تھے۔ دیکھنے والے خیال کرتے کہ آپ اس ماہ کا استقبال عبادت سے کر رہے ہیں۔

آپ کی صاحب زادی فاطمہ بیان کرتی ہیں:

''امام صاحب ہر رات اپنا وظیفہ (نوافل وغیرہ) پورا کرتے تھے اور جمعہ کی رات میں پوری رات عبادت کرتے تھے۔''

امام صاحب نوافل میں طویل رکوع اور سجود کرتے تھے۔ کوڑوں کی سزا کے بعد لوگوں نے عرض کیا۔

''آپ ہلکی نماز پڑھا کریں۔''

آپ نے جواب میں فرمایا:

''بندے کو چاہیے کہ اللہ کے لیے جو عمل کرے، اچھی طرح کرے۔''

آپ اپنے رومال کو تہ کر کے سجدے کی جگہ رکھتے تھے... کسی نے پوچھا:

''آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟''

جواب میں فرمایا:

''میں ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ پیشانی پر سجدے کا نشان نہ پڑے... اور لوگ یہ نہ کہیں کہ میں راتوں کو قیام کرتا ہوں۔''

آپ نفل عبادت تنہائی میں کرتے تھے، تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے اور ان کی بزرگی کی شہرت نہ ہو۔

آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ میں تھیں۔ آپ مدینہ منورہ میں کبھی سواری پر نہیں بیٹھے، فرمایا کرتے تھے:

''جس سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، اور جس زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے پھرے ہیں، اس پر سواری کرنا ادب کے خلاف ہے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر عمدہ عمدہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے۔ میں نے ان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''یہ سب تمہیں دیے۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں گھبرا گیا، میں نے کہا:

''آپ ان میں سے اپنے لیے کم از کم ایک تو رکھ لیں۔''

جواب میں فرمایا:

''مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول کی سرزمین کو چوپایوں کے پیروں سے روندوں۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو کیلا بہت پسند تھا۔ کیلے کے بارے میں کہا کرتے تھے:

''اس پر نہ مکھی بیٹھتی ہے، نہ گندا ہاتھ لگتا ہے۔ جنت کے پھلوں کے مشابہ ہے۔ سردی گرمی ہر موسم میں ملتا ہے۔ یہ جنت کے پھلوں کی خصوصیت ہے یعنی ہر موسم میں ملتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر والوں اور بال بچوں سے بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ آپ اچھی صحت کے مالک تھے۔ کھانا بہت کم کھاتے تھے۔ صرف مسکراتے تھے، کھل کر نہیں ہنستے تھے۔ آپ تجارت کرتے تھے۔ اور اس کی آمدنی سے زندگی کی تمام ضروریات پوری کرتے تھے۔

آپ کے اُستاد ربیعہ رائی نے آپ کو آتے ہوئے دیکھتے تو کہتے:

''عاقل آگیا۔''

ابن مہدی کہتے ہیں:

''میں نے مالک، سفیان، شعبہ اور ابن مبارک میں سب سے زیادہ مالک کو عقل مند پایا۔ میری آنکھوں نے ان سے زیادہ بارعب عقل مند، متقی اور عالی دماغ کسی کو نہیں دیکھا۔''

ابن وہب کہتے ہیں:

''ہم نے امام مالک سے علم سے زیادہ ادب سیکھا۔''

یحییٰ بن یحییٰ معمودی اندلسی نے امام صاحب سے علم حاصل کرنے کے بعد ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر اسلامی آداب سیکھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں امام مالک کی عادات سیکھنے کے لیے ان کے پاس ایک سال تک ٹھہرا رہا۔

امام صاحب بہت حق گو تھے... آپ وقت کے حکمرانوں کے ساتھ نہایت جرأت سے حق بات کہتے تھے:

ایک مرتبہ کسی نے اعتراض کیا:

''آپ ظالم اور جابر حکمرانوں کے یہاں آتے جاتے ہیں۔''

امام صاحب نے جواب دیا:

''حق بات کہنے کے لیے جاتا ہوں... حق بات ان کے سامنے نہیں تو اور کہاں کہی جائے گی۔''

امام مالک کہتے ہیں:

''میں خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس کئی مرتبہ گیا، لیکن میں نے کبھی اس کے ہاتھ کو بوسہ نہیں دیا۔''

اس وقت باقی سب لوگ خلیفہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔ خلیفہ منصور ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے تو آپ سے کہا:

''مالک! آپ کے بال بہت زیادہ سفید ہو گئے ہیں۔''

جواب میں امام صاحب نے کہا:

''امیر المومنین جس کی عمر زیادہ ہوتی ہے، اس کے بالوں میں سفیدی زیادہ ہو جاتی ہے۔''

اس کے بعد خلیفہ نے کہا:

''مالک! آپ صحابہ میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر اعتماد کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے۔''

امام صاحب نے جواب دیا:

''امیر المومنین! وہ آخری صحابی تھے جو ہمارے یہاں زندہ رہے۔ ضرورت کے وقت لوگ انھی سے مسائل پوچھتے تھے۔''

اس پر خلیفہ نے کہا:

''ٹھیک ہے، آپ کے پاس حق ہے۔''

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے آپ سے پوچھا:

''روئے زمین پر کوئی آپ سے بڑا عالم ہے؟''

جواب میں امام مالک نے کہا:

''ہاں! مجھ سے بڑے عالم بھی موجود ہیں۔''

منصور نے کہا:

''مجھے ان کے نام بتائیں۔''

آپ نے جواب دیا:

"مجھے ان کے نام یاد نہیں۔"

اب خلیفہ نے کہا:

"میں چاہتا ہوں... آپ کی کتاب موطا کو عام کروں، لشکروں کے امیروں اور شہروں کے قاضیوں کو لکھوں کہ اس کو سیکھیں... اسے رائج کریں... جو اس کی مخالفت کرے، اس کی گردن ماردوں۔"

جواب امام مالک نے کہا:

"امیر المومنین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے نمونہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات کے لیے لشکر روانہ فرماتے تھے... آپ کی زندگی میں بہت سے ملک فتح نہیں ہوئے تھے۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ خدمت انجام دی... لیکن اس وقت بھی بہت سے ملک فتح نہیں ہوئے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، آپ کے ہاتھوں پر بہت سے ملک فتح ہوئے... انھوں نے حضرات صحابہ کرام کو فتح ہوجانے والے ملکوں میں معلم بنا کر بھیجا یعنی انھیں تعلیم دینے کے لیے بھیجا... ان حضرات سے دین کا علم حاصل کیا جاتا رہا... یہاں تک کہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے... اگر آپ ان صحابہ کے شاگردوں در شاگردوں میں کتاب موطا کی اشاعت کریں گے تو اس صورت میں فتنہ برپا ہوگا... ہر شہر کے لوگوں کو ان کے ہاں کے علم پر رہنے دیں... آپ خود میرے علم پر عمل کریں۔"

آپ کو یہ بات سن کر منصور نے کہا:

"کس قدر دوراندیشی کی بات ہے۔ آپ میرے بیٹے کے لیے یہ علم لکھ دیں۔" یعنی کتاب موطا امام مالک۔

ہارون رشید حج کے موقع پر مدینہ منورہ آئے۔ انھوں نے امام صاحب کی خدمت میں 500 دینار کی ایک تھیلی پیش کی۔ جب حج سے فارغ ہو کر دوبارہ مدینہ آئے تو امام صاحب سے کہا:

''میری خواہش ہے کہ آپ میرے ساتھ بغداد تک چلیں۔''

ان کی خواہش کے جواب میں امام مالک نے کہلا بھیجا:

''وہ تھیلی جوں کی توں رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ لوگوں کے حق میں بہتر ہے۔ اگر وہ اس بات کو جانیں۔''

یہ سن کر ہارون رشید اپنے ارادے سے باز آ گئے۔ امام صاحب سے حسد کرنے والوں نے ایک دن منصور سے کہا:

''مالک آپ کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتے... اور عباسی خلافت کے منکر ہیں۔''

اس پر منصور غضب ناک ہوا۔ اس نے امام صاحب کے قمیص اتروائی اور آپ کے جسم پر کوڑے لگوائے۔''

کوڑے لگنے سے آپ کا ایک ہاتھ اتر گیا، لیکن اس واقعے سے آپ کی عزت میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ کوڑے آپ کی عظمت کا نشان بن گئے۔ عوام میں خواص میں آپ کی مقبولیت بڑھ گئی۔

حضرت سفیانؒ بن عیینہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عن قریب لوگ علم کی طلب میں سواریوں پر سوار ہو کر سفر کریں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں پائیں گے۔''

امام شافعی کہتے ہیں:

"اگر مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم ختم ہو گیا تھا۔"

امام مالک کو جب کسی حدیث کے کسی جز میں شک ہو جاتا تھا تو پوری حدیث چھوڑ دیتے تھے۔

امام مالک بہت رعب والے آدمی تھے۔ ان کے سامنے کسی کو بات کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خشک مزاج تھے... موقع کی مناسبت سے خوش طبعی بھی کرتے تھے۔ آپ نے ایک نوجوان کو دیکھا، وہ اکڑ کر چل رہا تھا۔ آپ اس کے پہلو میں جا کر اسی طرح چلنے لگے۔ پھر اس نوجوان سے پوچھا:

"کیا میری چال اچھی ہے؟"

اس نے کہا:

"یہ چال تو اچھی نہیں۔"

اب امام صاحب نے کہا:

"تو پھر تم کیوں اس طرح چلتے ہو؟"

یہ سن کر نوجوان نے اپنی چال درست کر لی... ابنِ مہدی نے ایک مرتبہ آپ سے کہا:

"مجھے یہاں مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں، معلوم نہیں میرے گھر والوں پر کیا گزر رہی ہو گی؟"

یہ سن کر امام صاحبؒ نے کہا:

"میرے بال بچے مجھ سے قریب ہیں، لیکن مجھے خبر نہیں کہ ان پر کیا گزر رہی ہے۔"

یعنی مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے (علمی مشغولیات کی وجہ سے) میں ان سے بے خبر ہوں... اتنا وقت نہیں ملتا کہ ان سے مل کر آیا کروں۔

امام مالکؒ کے حکیمانہ اقوال کتابوں میں کثرت سے ملتے ہیں۔ ان میں سے چند یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

- قیامت میں جن باتوں کا سوال انبیاء علیہم السلام سے کیا جائے گا، انھی باتوں کا سوال علماء سے ہوگا۔
- دین کا علم کثرت سے روایات بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ تو وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے۔
- علم کا حاصل کرنا خوبی ہے۔
- اس امت کا آخری طبقہ اس بات سے فلاح پا سکتا ہے جس سے اس امت کا پہلا طبقہ کامیاب ہوا۔
- اگر تمھیں دو باتوں میں شک ہے اور تم ان میں سے ایک کو اختیار کرنا چاہتے ہو تو اسے اختیار کرو جو تمھارے موافق ہو۔
- تم علم سے پہلے حلم حاصل کرو یعنی بردباری سیکھو۔
- جو شخص اپنی باتوں میں سچائی اختیار کرے گا، اپنی عقل سے آخری عمر تک فائدہ اٹھاتا رہے گا اور دوسرے لوگوں کی طرح بڑھاپے میں اسے بھول اور بکواس سے نجات رہے گی۔
- اللہ تعالیٰ کا ادب قرآن میں ہے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب سنت اور حدیث میں ہے اور صالحین کا ادب فقہ میں ہے۔

آپ بہت خوب صورت تھے۔ جسم سرخ و سفید تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ ڈاڑھی لمبی تھی۔ نہایت خوش لباس تھے۔ عمدہ خوشبو لگاتے تھے۔

آپ کے زمانے میں حدیث اور فقہ کی تدوین کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ سن 140 اور 150 ہجری کے دوران عالم اسلام کے بڑے شہروں میں علماء نے فقہ کی ترتیب پر کتابیں لکھیں۔ اس کے تقریباً تیس سال بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سن 179 ہجری میں ہوئی۔ اس مدت میں بھی بہت سے علماء نے کتابیں لکھیں۔ ان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نمایاں رہے۔ آپ کی تصنیف میں "موطا امام مالک" سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ موطا کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"روئے زمین پر موطا سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کو امام صاحب نے خلیفہ ہارون رشید کی گزارش پر لکھا۔

عتیق زبیری کا قول ہے:

"امام صاحب نے تقریباً دس ہزار احادیث سے احادیث منتخب کر کے موطاء میں شامل کی تھیں۔ اس میں بھی تحقیق کرتے رہے۔ اس طرح اس میں کمی ہوتی چلی گئی۔ اسی بنیاد پر یحییٰ بن سعید کہتے ہیں:

"لوگوں کا علم بڑھتا ہے، امام مالک کا کم ہوتا ہے۔ اگر وہ کچھ دنوں تک اور زندہ رہتے تو ختم ہو جاتا۔"

سلیمان بن بلال کہتے ہیں:

"ابتداء میں موطا میں چار ہزار یا اس سے زیادہ احادیث تھیں مگر انتقال کے وقت تعداد کم ہو گئی تھی۔"

امام صاحب زندگی کے آخری سالوں میں تقریباً گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ جمعہ اور جماعت کی نماز کے لیے بھی نہیں جاتے تھے۔ اس سلسلے میں کہا کرتے تھے:

''ہر شخص کھل کر اپنا عذر بیان نہیں کرسکتا۔''

یعنی میں اپنے عذر کی وضاحت بیان نہیں کرسکتا جس کی بنا پر میں جمعہ اور جماعت کی نماز نہیں پڑھنے جاتا۔ لوگوں میں آپ کی مقبولیت میں اس بنیاد پر کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ایک روایت ہے کہ آپ نے آخر عمر میں بتا دیا تھا کہ انھیں ذیابیطس (شوگر) کا مرض لاحق ہوگیا۔ مسلسل پیشاب آتا رہتا ہے۔ میں اس حالت میں مسجد نبوی میں نہیں جانا چاہتا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی بے ادبی کا سبب بنوں اور میں نہیں چاہتا کہ اپنی بیماری کا ذکر کرکے اللہ سے شکوہ کروں۔ امام صاحب 22 دن بیمار رہے اور 14 ربیع الاول 179 ہجری کو انتقال کر گئے۔ انتقال سے پہلے کلمہ پڑھا۔ ابن کنانہ اور ابن زبیر نے غسل دیا۔ آپ کے صاحب زادے یحییٰ اور کاتب حبیب نے پانی ڈالا۔ سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ مدینہ کے امیر عبدالعزیز بن محمد ابراہیم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

امام صاحب کی وفات ایک بہت بڑا سانحہ تھی۔ علما نے تعزیتی کلمات کہے۔ درجات کی بلندی کی دعائیں کیں۔ شاعروں نے تعزیتی اشعار کہے اور جہاں جہاں آپ کی وفات کی خبر پہنچی، رنج اور غم کی فضا چھا گئی۔ امام محمد نے جب یہ خبر سنی تو بولے:

''کتنی بڑی مصیبت آن پڑی، مالک بن انس وفات پا گئے۔ حدیث کے امیر المؤمنین وفات پا گئے۔''

جب مسجد میں یہ خبر پھیلی تو ہر طرف غم طاری ہوگیا۔

امام مالک کے دولڑکے یحییٰ اور محمد تھے۔ ایک پوتے احمد بن یحییٰ تھے۔

اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائیں۔ آمین۔

OO

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

استاد درس گاہ میں داخل ہوئے تو حیران رہ گئے۔ ایک بچہ ان کی طلباء کو سبق یاد کرا رہا تھا اور یہ وہی سبق تھا جو انھوں نے کل طلباء کو پڑھایا تھا۔ بچہ نہایت اچھے اور ماہرانہ طریقے سے وہی سبق طلباء کو یاد کروا رہا تھا۔

استاد حیران کیوں نہ ہوتا... بچے نے تو اس کا کام آسان کر دیا تھا... اسے تو ایسا کوئی شاگرد میسر نہیں تھا جو درس گاہ کے بچوں کو اس کی عدم موجودگی میں سبق یاد کرا سکے... لیکن مزے کی بات تو یہ تھی کہ یہ بچہ ان کا شاگرد نہیں تھا۔ درس میں شامل نہیں تھا۔ انھوں نے پیار سے پوچھا:

''بیٹا تم کون ہو... کہاں رہتے ہو، کیا کرتے ہو؟''

بچے نے بتایا:

''استاد صاحب! میں ایک یتیم بچہ ہوں... میری ماں کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ وہ میری فیس ادا کر سکے... اس لیے میں درس گاہ کے باہر کھڑا ہو جاتا ہوں... اور آپ جو پڑھاتے ہیں، اسے یاد کر لیتا ہوں... مجھے سبق بہت جلد یاد ہو جاتا ہے... آج آپ درس گاہ میں تھے نہیں... میں نے سوچا... طلباء کو سبق یاد کرا دوں...''

''تم بہت اچھے بچے ہو... آج سے تم بھی کلاس میں شامل ہو، میں تم سے کوئی فیس

نہیں لیا کروں گا..." اس طرح اس بچے کو تعلیم حاصل کرنے کا باقاعدہ موقع مل گیا... اس مکتب کی تعلیم کے بعد یہ بچہ قبیلہ بنی ہذیل میں چلا گیا... زبان وادب کے لحاظ سے یہ قبیلہ بہت مشہور تھا... یہ بچہ اس قبیلے کے ساتھ ساتھ رہا... واپس مکہ معظمہ آیا تو ان لوگوں کے اشعار دوسروں کو سنانے لگا... اس زمانے میں اس بچے پر عربی زبان وادب اور شعر وشاعری کا شوق سوار تھا... ایسے میں اسے اپنے چچا وغیرہ سے حدیث سننے کا اتفاق ہوا، مسائل بھی سنے... لیکن والدہ کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے کہ ان سے لے کر یہ بچہ کاغذ خرید کر احادیث اور مسائل لکھ لے... اس کا حل اس نے یہ نکالا کہ ادھر اُدھر سے ہڈیاں وغیرہ اور کھجور کے پتے جمع کر لیتا اور ان پر یہ احادیث اور مسائل لکھ لیا کرتا... اس نے سات سال کی عمر میں قرآن اس طرح یاد کر لیا کہ اس کے تمام معانی تک اسے یاد ہو گئے... دس سال کی عمر میں موطا امام مالک یاد کر لی۔

پھر آلِ زبیر کے ایک صاحب سے اس کی ملاقات ہوئی... انھوں نے اس بچے میں چھپی خوبیوں کو بھانپ لیا تھا... وہ اس سے کہنے لگے:

"یہ بات مجھے بہت ناگوار محسوس ہوئی ہے کہ تم میں علم حاصل کرنے کی بے پناہ صلاحیت ہے... لیکن تم علم فقہ سے محروم رہو اور دینی سیاست حاصل نہ کرو... کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔"

"میں فقہ کی تعلیم کے لیے کس کے پاس جاؤں؟" اس نے پوچھا۔

"تم امام مالک کے پاس جاؤ۔"

اس بچے نے مکہ مکرمہ کے امیر سے ایک خط امام مالک کے نام لکھوایا اور ایک خط مدینہ منورہ کے امیر کے نام لکھوایا... اور مدینہ منورہ پہنچا... مکہ مکرمہ کے امیر کا خط انھیں دیا اور

بولا:

"آپ یہ دوسرا خط کسی طرح امام مالکؒ تک پہنچا دیں، انھیں یہاں بلوالیں اور میری سفارش ان سے کریں۔"

اس پر امیر مدینہ بولے:

"کیا یہ بہتر نہیں رہے گا کہ ہم خود ان کے پاس جائیں... ہم ان کے دروازے پر اتنی دیر کھڑے ہوں کہ ہمارے بال غبار سے اٹ جائیں گے... اور پھر وہ ہمیں اندر بلائیں... آیئے میرے ساتھ۔"

مدینہ منور کے امیر اس بچے کو ساتھ لے کر امام مالک کے گھر پہنچے۔ انھوں نے اندر پیغام بھیجا... تو باندی نے باہر آ کر کہا:

"اگر آپ کو مسائل معلوم کرنے ہیں تو ایک کاغذ پر لکھ کر دے دیں، وہ جواب لکھ دیں گے۔"

اس پر مدینہ کے امیر نے کہا:

"ایک ضرورت کے تحت مکہ مکرمہ کے امیر نے خط لکھا ہے۔"

باندی یہ سن کر اندر چلی گئی... تھوڑی دیر بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دروازے پر تشریف لائے... مدینہ منورہ کے امیر نے مکہ مکرمہ کے امیر کا خط انھیں دیا... امام صاحب نے خط پڑھنا شروع کیا اور جب سفارشی عبارت پر پہنچے تو بول اٹھے:

"سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سفارشوں سے حاصل کیا جانے لگا۔"

مدینہ کے امیر یہ سن کر گھبرا سے گئے اور ان سے کوئی بات نہ بن پڑی... یہ کیفیت محسوس کر کے بچے نے خود اپنے بارے میں کچھ بتایا... امام صاحب نے اس کی باتیں سن کر پوچھا:

"تمھارا نام کیا ہے۔"

انھوں نے کہا:

”جی! میرا نام محمد ہے۔“

اب امام مالک نے فرمایا:

”محمد! اللہ سے ڈرو! گناہوں سے بچو، کیونکہ آیندہ تم بہت باحیثیت ہو گے، ٹھیک ہے تم کل سے آ جانا، لیکن اپنے ساتھ ایسے آدمی کو لانا جو تمھارے لیے ”مؤطا“ پڑھے۔

اس بات کے جواب میں اس نے کہا:

”مؤطا تو میں خود زبانی پڑھ سکتا ہوں۔“

امام مالک حیران ہوئے ان سے مؤطا سنی اور انھیں اپنے خاص شاگردوں میں شامل کر لیا۔

یہ بچہ بعد میں امام شافعی کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ کا نام محمد بن ادریس تھا۔ آپ ہاشمی خاندان سے تھے۔ آپ کے پردادا کا نام شافع تھا۔ اس لحاظ سے آپ شافعی کہلائے۔ والد محترم آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت عبداللہ بن حسنؓ بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب تھا۔ یعنی آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھیں۔

آپ سن 150 ہجری میں ملک شام کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں آپ کو مکہ مکرمہ لایا گیا۔ امام صاحب کی والدہ کہتی ہیں:

”شافعی ابھی پیدا ہونے والے تھے کہ میں نے خواب دیکھا کہ مشتری ستارہ میرے جسم سے نکلا اور مصر میں گرا۔ پھر اس کی روشنی ہر شہر میں پہنچی۔ تعبیر بتانے والوں نے اس خواب کو سن کر کہا:

”اس خاتون کے بطن سے ایک عالم پیدا ہوگا۔ اس کا علم مصر سے تمام شہروں میں پھیل

جائے گا۔“

بچپن میں آپ تیر اندازی اور گھوڑے سواری کے شوقین تھے... اس عمر میں دس کے دس نشانے صحیح لگا لیتے تھے... پھر جب علم کا شوق شروع ہوا تو دن رات پڑھنے میں مشغول نظر آنے لگے... تعلیم کی ابتدا مکہ سے ہوئی... اس کے بعد مدینہ منورہ میں علم حاصل کیا... عربی اشعار میں بھی مہارت حاصل کی... اپنے چچا محمد بن شافع اور مسلم بن خالد زنجی سے حدیث سنی۔

امام مالک کی اجازت کے بعد آپ ان کے درس میں شریک ہونے لگے۔ یہاں سے دینی علوم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد آپ مکہ پہنچے تو ان کی شہرت عام ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں یمن کا امیر مکہ مکرمہ آیا۔ امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے یمن کے امیر سے کہا:

”امام شافعی کو یمن لے چلیں۔“

یمن کے امیر نے امام شافعی سے درخواست کر دی کہ آپ یمن آجائیں۔ آپ نے حامی بھر لی۔ سفر کے لیے تیار ہوئے تو والدہ کے پاس سفر خرچ کے لیے پیسے نہیں تھے۔ آپ نے مجبوراً اپنی والدہ کی ایک چادر سولہ دینار میں رہن رکھی اور اس طرح سفر کیا۔

یمن پہنچے تو امیر نے ایک ذمے داری آپ کو سونپ دی۔ آپ نے نہایت خوبی سے اس ذمے داری کو نبھایا۔ اس پر امیر خوش ہوا۔ اس نے آپ کو ترقی دے دی۔ چند دنوں بعد مزید ترقی دے ڈالی۔ آپ کی حسنِ کارکردگی مشہور ہو گئی۔ اس زمانے میں یمن سے عمرہ کرنے والوں کی ایک جماعت مکہ آئی۔ ان لوگوں نے وہاں امام شافعی کا ذکر کیا۔ اس طرح ان کی شہرت میں اضافہ ہوا۔

یمن میں کچھ مدت گزار کر آپ بغداد گئے۔ وہاں امام محمد بن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے

فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ امام محمد، امام ابو حنیفہ کے سب سے بڑے شاگرد تھے۔ امام شافعی کہا کرتے تھے:

''میں امام مالک، پھر امام محمد کے استاد ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔''

ایک بار آپ نے بتایا۔

''میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر احادیث سنی ہیں۔'' (جامع البیان 99/1)

آپ یہ بھی کہا کرتے تھے:

''اگر لوگ فقہاء کے بارے میں انصاف سے کام لیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ انھوں نے امام محمد جیسا فقیہ نہیں دیکھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو علم میں میری زبان اتنی نہ کھلتی۔ تمام اہلِ علم فقہ کے علم میں اہلِ عراق کے محتاج ہیں۔ تمام اہلِ عراق اہلِ کوفہ کے محتاج ہیں اور تمام اہلِ کوفہ امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں اور میں نے ان کے شاگرد امام محمد جیسا عالم نہیں دیکھا۔ جب میں انھیں قرآن پڑھتے ہوئے سنتا تھا تو یوں لگتا تھا گویا قرآن ان کی زبان میں اترا آیا ہے۔ میں نے جس عالم سے کوئی فقہی اور علمی سوال کیا، امام محمد کے علاوہ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ہی نمودار ہوئے۔ میں نے امام محمد سے زیادہ اللہ کی کتاب کا جاننے والا نہیں دیکھا۔''

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اس لائق اور فائق شاگرد کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ دین سکھانے کے ساتھ ساتھ ان کی مالی مدد بھی کرتے تھے۔

ابو حسان زیادی کہتے ہیں:

''میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی کی اتنی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جتنی وہ امام شافعی کی کیا کرتے تھے۔ ایک دن امام محمد جانے کے لیے سواری پر بیٹھ گئے۔ ایسے میں امام شافعی

آ گئے۔ امام محمد نے اسی وقت سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ سواری سے اتر کر گھر آ گئے اور رات گئے تک ان کے ساتھ رہے۔ (ابنِ خلکان)

امام شافعی رحمہ اللہ کا آخری تعلیمی سفر بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کی درس گاہ پر ختم ہوا اور یہیں امام صاحب نے فقہ اور اپنے اقوال پر کتاب ترتیب دی۔ اسے قولِ قدیم کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بغداد میں آنے کے بعد ہی امام شافعی رحمہ اللہ کی علمی شہرت عام ہوگئی... اور ایک دنیا نے ان کے علم سے فیض حاصل کیا۔ آپ پہلی مرتبہ بغداد میں سن 195 ہجری میں آئے... دوبارہ سن 198 ہجری میں آئے... بغداد میں قیام کے دوران ان کے درس میں ادیب حضرات بھی شرکت کرتے تھے۔

حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں کہ میں نے تو کیا، کسی نے بھی ان کے دور میں ان جیسا عالم نہیں دیکھا۔

الفضل زجاج کہتے ہیں:

"جس وقت امام شافعی رحمہ اللہ بغداد میں تشریف لائے، وہاں کی جامع مسجد میں چالیس پچاس علمی اور درسی حلقے جاری تھے۔ امام صاحب ایک ایک حلقے میں بیٹھ کر حاضرین کو احادیث سناتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام حلقے جمع ہو گئے۔ سب کا ایک حلقہ بن گیا اور یہ حلقہ امام صاحب کا حلقہ بن گیا۔ بغداد میں آپ ناصر الحدیث کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اس زمانے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ان سے بڑے ادب اور احترام سے علم حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یحییٰ بن حصین نے امام احمد کے بیٹے صالح سے کہا:

"آپ کے والد کو شرم نہیں آتی۔ میں نے انہیں اس حال میں چلتے دیکھا ہے کہ شافعی سواری پر چل رہے ہیں اور آپ کے والد رکاب تھامے ہوئے پیدل چل رہے ہیں۔"

صالح نے یحییٰ بن حصین کی یہ بات اپنے والد کو جا کر بتائی تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

نے بیٹے سے کہا:

''جا کر ان سے کہہ دو، اگر آپ فقیہ بننا چاہتے ہیں تو امام شافعی کی سواری کی دوسری رکاب آپ تھام لیں۔

حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں:

''امام صاحب بغداد آئے تو ہم چھ طلبہ ان کے درس میں جانے لگے، احمد بن حنبل، ابوثور، حارث نقالی، ابوعبدالرحمٰن میں اور ایک اور طالب علم۔

اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بغداد میں علم حاصل کیا، ان میں سے چند ایک کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں:

محمد بن علی بن شافع، مسلم بن خالد زنجی، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، ابراہیم بن محمد بن ابویحییٰ، فضیل بن عیاض، محمد بن حسن شیبانی (امام محمد) داؤد بن عبدالرحمٰن، محمد بن عثمان بن صفوان، یحییٰ بن ابوحسان تیلسی رحمہم اللہ وغیرہ (تاریخ بغداد)

مکہ مکرمہ میں آپ نے سات سال کی عمر میں قرآنِ کریم حفظ کیا اور تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے اس وقت کے استاد قاری اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین مکی ہیں۔ ان کا انتقال سن 190 ہجری میں ہوا اور اس وقت ان کی عمر نوے سال تھی۔

آپ نے نوعمری ہی میں فقہ، فتویٰ، حدیث، تفسیر، تعبیر، تیراندازی اور شہ سواری میں اس حد تک کمال حاصل کر لیا کہ آپ بہت مشہور ہو گئے۔ ان کے اساتذہ تک آپ کی قابلیت کا اعتراف کرنے لگے۔ ابھی آپ کی عمر 20 سال تھی کہ آپ کے اُستاد مسلم بن خالد زنجی نے آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت دے دی تھی۔ عبدالرحمٰن بن مہدی نے گواہی دی:

''امام شافعی رحمہ اللہ بہت سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔''

بشیر مدلسی نے حج سے واپسی پر بغداد آ کر اپنے دوستوں کو بتایا:

''میں نے مکہ میں ایک قریشی جوان دیکھا ہے، اس کی لیاقت اور قابلیت سے ڈر لگتا ہے۔''

سفیان بن عیینہ کہا کرتے تھے:

''شافعی اپنے زمانے کے جوانوں میں سب سے افضل ہیں۔''

کوئی ان سے خواب کی تعبیر پوچھتا تو کہتے:

''شافعی سے معلوم کرو۔''

عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام شافعی کو ان کی جوانی کے دنوں میں لکھا:

''آپ میرے لیے ایک کتاب لکھیں جس میں حدیث کے تمام فنون، اور فقہ کے مسائل ہوں۔''

اس پر آپ نے ایک کتاب لکھی... اس مشہور کتاب کا نام الرسالۃ ہے:

آپ سن 199 ہجری یا سن 201 ہجری میں مصر چلے گئے تھے اور پھر تاحیات وہیں رہے۔ وہیں وفات پائی۔ جب آپ مصر میں آئے تھے تو اس وقت بہت تنگ دستی تھی۔ مصر میں آپ کو عبداللہ بن عبدالحکم سے خاص تعلق تھا۔ آپ روزانہ ان سے ملنے کے لیے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات بھی انھی کے ہاں ہوئی۔ یہ عبداللہ بن حکم مصر کے مشہور عالم تھے اور امام مالک کے مسلک پر تھے۔ ان کے صاحب زادے کہتے ہیں:

''امام شافعی رحمہ اللہ روزانہ ہمارے یہاں سے امام مالک کی کتابوں کے دو جز لے جاتے، دوسرے دن ان کو واپس کر کے دوسرے دو جز لے جاتے۔

عبداللہ بن عبدالحکم کے صاحب زادے کا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم تھا۔ انھوں نے بھی امام شافعی کی شاگردی اختیار کر لی تھی۔ امام شافعی انھیں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

شاگردوں میں سے ایک شاگرد مزنی کا بیان ہے:

''ہم لوگ امام شافعی سے حدیث سننے کے لیے جاتے تو پہلے ان کے دروازے پر بیٹھتے... اندر آنے کی اجازت ملتی تو اندر جاتے... لیکن محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم آتے تو سیدھے اندر چلے جاتے۔ یہ دیر تک امام صاحب کے پاس رہتے... امام صاحب بعض اوقات ان کے ساتھ کھانا بھی کھاتے... امام صاحب نیچے آ کر شاگردوں کو درس دیتے۔ فراغت کے بعد محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم اپنی سواری پر واپس جانے لگتے تو امام صاحب کہتے:

''کاش میرا بھی کوئی ایسا ہی بیٹا ہوتا۔''

امام صاحب کا علم تین مرکزی شہروں میں عام ہوا، یعنی مکہ مکرمہ، بغداد اور مصر، ان شہروں میں امام صاحب کی مجلس قائم ہوئی۔ بغداد میں آپ نے دو سال اور چند ماہ تک قیام کیا۔ اس دوران وہاں کے لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا۔ مصر میں آپ پانچ یا چھے سال ٹھہرے۔ مصر کے لوگوں نے تو اس طرح آپ سے علم حاصل کیا کہ ان کے علم اور فقہ کے ناشر اور ترجمان بن گئے۔ آپ کا فقہ کو اقوالِ قدیمہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے زمانے میں حدیث، فقہ اور فتویٰ کے دو مشہور مرکز حجاز اور عراق تھے۔ امام صاحب نے دونوں مرکزوں سے فیض حاصل کیا۔ دونوں مرکزوں کے علمی مسائل سے پوری واقفیت حاصل کی۔ مکہ مکرمہ میں امام مسلم بن خالد زنجی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے شاگرد ابن جریج تھے۔ امام مسلم بن خالد زنجی نے ان سے تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر مدینہ منورہ میں آپ نے امام مالک سے تعلیم حاصل کی۔ بغداد جا کر امام محمد سے علم حاصل کیا جو شاگرد ہیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے۔ امام شافعی اگرچہ امام مالک کے فقہ کو پسند کرتے، لیکن بعض مسائل میں ان سے اختلاف کرتے تھے۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا:

''آپ امام مالک کو اپنا استاد مانتے ہیں اور ان سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔''

اس سوال کا جواب دینے کے لیے انھوں نے کتاب لکھی۔ ابواسحاق شیرازی کہتے ہیں: اس اختلاف کے باوجود ہم امام شافعی کو امام مالک کے اصحاب میں شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح امام مالک کے اصحاب میں سے کچھ اور حضرات نے بھی امام مالک سے اختلاف کیا ہے اور یہ اختلاف امام شافعی کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔

امام صاحبؒ کے درس کی مجلس اس دور کے فقہاء کی طرح قائم ہوتی تھی۔ آپ اپنے شاگردوں کو نہایت شفقت، محبت اور خلوص سے پڑھاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''اگر میرے بس میں ہوتا کہ میں اپنے شاگردوں کو علم کھلا دوں تو ضرور کھلا دیتا۔''

آپ کے درس کی جو مجلس بغداد میں لگتی تھی، اس میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی شریک ہوتے تھے۔ بغداد سے نکلتے وقت آپ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''میں نے احمد بن حنبل سے زیادہ پاک باز، متقی، فقیہ اور عالم کسی کو نہیں چھوڑا۔''

ایک مرتبہ آپ نے کہا:

''تین علماء زمانے کے عجائبات میں سے ہیں۔ ایک عربی شخص جو ایک کلمہ بھی ٹھیک طرح سے ادا نہیں کرتا، یہ ابوثور ہے، دوسرا عجمی شخص جو ایک کلمے میں بھی غلطی نہیں کرتا، یہ حسن زعفرانی ہے اور تیسرا چھوٹا شخص جب وہ کوئی بات کہتا ہے تو بڑے علماء اس کی تصدیق کرتے ہیں، یہ احمد بن حنبل ہیں۔''

ایک مرتبہ کہا:

''میں نے دو آدمیوں سے زیادہ عقل مند کسی کو نہیں دیکھا۔ احمد بن حنبل اور سلیمان بن داؤد ہاشمی کو۔''

یہ تمام حضرات امام شافعی کے شاگرد ہیں۔ امام صاحب نہایت ذہین اور فہم و فراست

کے مالک تھے۔ ابوعبید کہتے ہیں:

''میں نے شافعی سے زیادہ کسی کو عقل مند نہیں دیکھا اور نہ ان سے کامل انسان دیکھا ہے۔''

ہارون بن سعید ایلی کہتے ہیں:

''اگر امام شافعی پتھر کے ان ستونوں کو لکڑی کے ستون ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔''

محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کا قول ہے:

''اگر شافعی نہ ہوتے تو میں کچھ نہ جانتا۔ انھوں نے مجھے قیاس سکھایا۔''

یونس بن عبدالاعلیٰ کا قول ہے:

''جو شخص ان کی باتوں کو سمجھ لے، وہ انتہائی سمجھدار ہے۔''

جب آپ بغداد میں قیام پذیر تھے، اس وقت ہارون رشید نے اپنے دربار کے خاص آدمی فضل بن ربیع کو حکم دیا:

''محمد بن ادریس حجازی (یعنی امام شافعی) کو میرے پاس لاؤ۔''

جس وقت ہارون رشید نے یہ حکم دیا، اس وقت وہ اپنے خاص لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ سامنے تلوار رکھی تھی۔

فضل بن ربیع ڈرتے ڈرتے امام صاحب کی خدمت میں گئے، وہ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا:

''آپ کو امیر المؤمنین یاد کر رہے ہیں۔''

امام شافعی فوراً بولے:

''بسم اللہ!''

پھر دعا پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ فضل بن ربیع آگے آگے تھے اور امام صاحب اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ محل کے دروازے پر پہنچ کر فضل اندر گئے۔ ان کا خیال تھا کہ خلیفہ امام صاحب کے استقبال کے لیے دروازے پر کھڑے ہوں گے... لیکن ایسا نہیں تھا... فضل بن ربیع نے انھیں امام صاحب کی آمد کی خبر دی... سن کر ہارون رشید بولے:

''انھیں اندر لے آؤ۔''

امام صاحب جب خلیفہ کے سامنے پہنچے تو وہ یک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا چہرہ روشن ہو گیا۔ آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور بولے:

''ابو عبداللہ! ہمیں یہ حق نہیں تھا کہ آپ کو قاصد کے ذریعے بلوائیں۔ مجھے خود حاضر ہونا چاہیے تھا۔ ہم نے آپ کے لیے دس ہزار دینار کا حکم دیا ہے، میں یہ رقم آپ کے ساتھ بھجوا رہا ہوں۔''

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''مجھے ان کی ضرورت نہیں۔''

جب آپ یہاں سے مصر گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کے لیے تین ہزار دینار کا بندوبست کیا اور ان کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے یہ دینار قبول فرما لیے... کسی نے آپ سے پوچھا:

''آپ نے خلیفہ ہارون رشید سے تو دینار لیے نہیں اور یہ قبول فرما لیے... یہ کیوں؟''

آپ نے فرمایا:

''وہ سلطانی احسان تھا یہ اہل علم کی طرف سے علمی تعاون ہے۔''

یمن کی سرکاری ملازمت چھوڑ کر آپ مکہ آئے... اس وقت آپ کے پاس دس ہزار

دینار تھے... لوگ آپ سے ملاقات کے لیے آنا شروع ہوئے... ان میں ضرورت مند بھی آئے... آپ نے وہ تمام رقم ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی اور خود مکہ مکرمہ آ کر قرض لیا:

آپ روزانہ صدقہ کیا کرتے تھے۔ رمضان میں غریبوں اور مسکینوں کو اور زیادہ دیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کا کرتہ درست کیا، آپ نے اسے ایک دینار دیا اور فرمایا:

''معاف کرنا اس وقت میرے پاس یہی ہے۔''

ایک شخص نے آپ کا کوڑا اٹھا کر دیا تو آپ نے اسے دیناروں کی ایک تھیلی دے دی۔

ربیع کہتے ہیں:

''ہم نے اپنے شہر مصر میں بہت سے سخی دیکھے، لیکن امام شافعی جیسا نہیں دیکھا۔ جب کوئی آدمی ان سے سوال کرتا اور آپ کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو آپ کے چہرے کا رنگ شرم کی وجہ سے بدل جاتا۔''

ایک مرتبہ امام صاحب حمام میں غسل کے لیے گئے تو اس کے مالک کو بہت سا مال دے آئے... آپ بہت زندہ دل تھے۔ خوش مزاج تھے۔ اپنے شاگردوں سے بہت عقیدت سے پیش آتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''جو شخص اپنے آپ کو نیچا نہیں کرے گا، اس کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔''

آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کی پیروی کیا کرتے تھے۔ محمد بن فضل بن بزاز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سال میں نے امام احمد بن حنبل کے ساتھ حج کیا۔ ہم مکہ میں ایک ہی مکان میں ٹھہرے۔ صبح کی نماز کے بعد میں مسجدِ حرام میں درس کی الگ الگ مجلسیں لگی تھیں۔ میں نے ایک ایک مجلس کے قریب جا کر دیکھا۔ احمد بن حنبل ایک بدری جوان کی مجلس میں نظر آئے۔ میں نے ان کے قریب جا کر کہا:

''آپ سفیان بن عیینہ کی مجلس چھوڑ کر یہاں بیٹھے ہیں، حالانکہ ان کی مجلس میں بڑے اہلِ علم موجود ہیں۔''

یہ سن کر امام احمد بن حنبل نے کہا:

''خاموش رہو۔ اگر اس جوان کی عقل تمھیں نہ ملی تو میرے خیال میں قیامت تک اسے نہیں پاؤ گے... اس لیے کہ میں نے اللہ کی کتاب کا اس سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں پایا۔''

یہ سن کر انھوں نے پوچھا:

''یہ کون ہیں؟''

امام احمد بن حنبل نے جواب دیا:

''یہ محمد بن ادریس یعنی امام شافعی ہیں۔''

ہلال کہتے ہیں:

''شافعی نے علم کے قفل کھول دیے ہیں۔''

ابن ہشام کہتے ہیں:

''لغت کے معاملے میں امام شافعی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔''

آپ بہت خوب صورت تھے۔ عطریات بہت پسند کرتے تھے۔ جس ستون سے ٹیک لگا کر درس دیتے تھے۔ اس ستون کو بھی خوشبو لگائی جاتی تھی۔ طبیعت میں نفاست تھی۔ لباس اور غذا کا خیال رکھتے تھے۔ کسی نے آپ کا حال پوچھا تو فرمایا:

''اس شخص کی کیا حالت ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ قرآن کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت کا، شیطان گناہوں کا، زمانہ اپنے مصائب کا، نفس اپنی خواہشات کا، اہل وعیال روزی کا اور ملک الموت روح قبض کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔''

آپ فرمایا کرتے تھے:

''دین کا علم کوئی شخص مال داری سے حاصل کر کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جو شخص نفس کی ذلت، فقر و محتاجی اور علم کی حرمت کے ساتھ اسے حاصل کرے گا، وہ کامیاب ہو گا۔''

آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ فقہ کے اصولوں پر کتاب الرسالہ لکھی۔ تیر اندازی اور شہ سواری کے موضوع پر بھی کتابیں لکھیں۔

جاحظ کہتے ہیں:

''میں نے امام شافعی کی کتابیں دیکھی ہیں۔ وہ گندھے ہوئے موتی ہیں۔ میں نے ان سے بہتر مصنف نہیں دیکھا۔

آپ سن 150 ہجری میں پیدا ہوئے اور رجب کی آخری تاریخ سن 204 ہجری میں مصر میں وفات پا گئے۔ اس وقت آپ کی عمر 54 یا 58 سال تھی۔ اپنی وصیت کے مطابق بیماری کے دنوں میں عبداللہ بن عبدالحکم کے ساتھ رہے... انہی کے گھر میں انتقال فرمایا... کفن دفن کی سعادت صاحبزادوں نے حاصل کی... مصر کے امیر نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اسی رات ربیع بن سلیمان مرادی نے خواب میں آپ کو دیکھا۔ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا:

''اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟''

امام صاحب نے جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے نور کی کرسی پر بٹھایا۔''

ربیع کہتے ہیں، امام صاحب کی وفات کے بعد ہم ان کے درس کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ ایک دیہاتی آیا۔ اس نے سلام کے بعد پوچھا:

''اس حلقے کے شمس و قمر کہاں ہیں؟''

ہم نے اسے بتایا:

''ان کا انتقال ہو گیا ہے۔''

یہ سن کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا... پھر یہ الفاظ کہے اور چلا گیا:

"اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، اس کی مغفرت فرمائے، کس خوبی سے فقہ سمجھاتا تھا... گتھیوں کو سلجھاتا تھا، اپنے مقابل کو واضح دلیل سے ہدایت دیتا تھا... اپنے اجتہاد سے مسائل کے بند دروازے کھولتا تھا۔

امام صاحب کے دو صاحب زادے تھے۔ ایک ابوالحسن محمد تھے۔ یہ قاضی تھے۔ دوسرے عثمان تھے۔ انھوں نے امام احمد بن حنبل سے علم حاصل کیا۔ آپ کی ایک صاحب زادی بھی تھیں۔ ان کا نام زینب تھا۔ ان سے ابو محمد احمد بن محمد پیدا ہوئے۔ پائے کے عالم بنے۔ امام شافعی کے بعد ان کے علاوہ ان جیسا اور کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

OO

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

حنبل نامی ایک شخص خراسان کے شہر مرو میں رہتے تھے۔ کسی وجہ سے انھوں نے اپنا وطن چھوڑا اور سن 164 ہجری میں بغداد چلے آئے۔ اس وقت ان کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ بغداد آنے کے کچھ ہی دن بعد ان کا انتقال ہوگیا اور ربیع الاول سن 164 ہجری میں ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ ماں نے اس بچے کا نام احمد رکھا۔ یہ بچہ امام احمد بن حنبل شیبانی بغدادی کے نام سے مشہور ہوا۔

امام صاحب کی والدہ قبیلہ بنی شیبان سے تھیں۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنتِ میمونہ بنتِ عبدالملک شیبانی تھا۔ مطلب یہ کہ امام احمد بن حنبل کے نانا کا نام عبدالملک تھا۔ یہ قبیلہ شیبان کے سرداروں میں سے تھے۔ ان کے ہاں مرو میں عرب کے قبائل آتے تھے۔ یہ ان کی خوب خاطر تواضع کیا کرتے تھے... امام صاحب کے والد حنبل بھی ان دنوں مرو میں انھی کے ہاں رہتے تھے۔ پھر انھوں نے ان کی صاحب زادی سے شادی کر لی۔

ماں نے اپنے یتیم بچے کو بہت پیار سے پالا۔ خوب ذوق شوق سے انھیں تعلیم دلوائی۔ احمد بن حنبل اپنی والدہ کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ آپ بچپن ہی سے مکتب میں تعلیم حاصل کرنے لگے تھے اور اسی زمانے میں ان کی شرافت، نیک نفسی اور بزرگی کی شہرت ہوگئی تھی۔

اس زمانے میں خلیفہ رقّہ کے مقام پر تھا۔ بغداد کے امیر اور وزیر اس کے ساتھ تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کو خط لکھا کرتے تھے۔ ان کے خطوط جب بغداد میں پہنچتے تو ان امیروں اور وزیروں کی عورتیں مکتب کے معلم کو پیغام بھجواتیں کہ خطوط کے جوابات لکھنے کے لیے احمد بن حنبل کو بھیج دیں، تاکہ وہ ہمارے خطوط کے جوابات لکھ دیں۔

امام احمد بن حنبل وہاں آتے اور سر جھکا کر بیٹھ جاتے۔ اسی حالت میں خطوط کے جوابات لکھتے رہتے۔ یعنی نگاہ اوپر نہیں اٹھاتے تھے... یہ حالت تھی آپ کی بچپن میں بھی۔

ابوسراج کہتے ہیں:

"میرے والد، امام احمد بن حنبل کی شرم و حیا اور شرافت پر حیران ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے، میں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر کافی دولت خرچ کرتا ہوں۔ ان کے لیے استاد مقرر کرتا ہوں کہ وہ ادب سیکھیں مگر میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو رہا ہوں۔ دوسری طرف احمد بن حنبل یتیم لڑکا ہے، لیکن تعلیم کے میدان میں کس قدر تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔"

امام صاحب نے مدرسے کی تعلیم کے بعد 16 سال کی عمر میں حدیث کی تعلیم شروع کی۔ آپ نے تعلیم کی ابتدا قاضی ابو یوسف کے درس کے حلقے سے کی۔ آپ خود کہتے ہیں:

"میں نے سب سے پہلے ابو یوسف سے حدیث سیکھی۔"

امام صاحب نے بغداد کے اساتذۂ حدیث سے علم حاصل کرنے کے بعد کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام جزیرہ اباداني وغیرہ کا سفر کر کے وہاں کے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔

تعلیم کے سلسلے میں آپ نے جو سفر کیے۔ ان کی تفصیل آپ خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"میں نے سن 179 ہجری میں علی بن ہاشم بن برید سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ یہ میرا

تعلیم کا پہلا سال تھا۔ اسی سال ہشیم بن بشیر سے حدیث سنی۔ پھر اسی سال عبداللہ بن مبارک آخری بار بغداد آئے۔ میں ان کے درس کی مجلس میں گیا تو معلوم ہوا، وہ طرسوس چلے گئے۔ ان کا انتقال سن 181 ہجری میں ہوا۔ اس وقت میری عمر 16 سال تھی۔ ہشیم بن بشیر کے انتقال کے وقت میں بیس سال کا تھا۔ اسی زمانے میں حماد بن زید اور مالک بن انس کا انتقال ہوا۔ میں ہشیم بن بشیر کی مجلس میں سن 183 ہجری تک رہا۔ اسی سال ان کا انتقال ہوا۔ ہم نے ان سے کتاب الحج لکھی۔ وہ ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ کتاب القضا، بعض تفاسیر اور مختصر کتابیں لکھیں۔ تقریباً تین ہزار احادیث جمع کیں۔ ہشیم ہمیں کتاب الجنائز کا املا کرا رہے تھے۔ اسی دوران حماد بن زید کے انتقال کی خبر پہنچی۔ ہشیم کے انتقال سے پہلے میں نے عبدالمومن بن عبداللہ بن خالد عیسیٰ سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ سن 182 ہجری میں رے کے عالم ابومجاہد علی بن مجاہد کا ملی سے حدیث حاصل کی۔ اسی سال ملک رے کا سفر کیا۔ سن 186 ہجری میں بصرہ کا پہلا سفر کیا۔ سن 187 ہجری میں مکہ مکرمہ گیا۔ وہاں سفیان بن عیینہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمارے مکہ پہنچنے سے کچھ پہلے فضیل بن عیاض کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسی سال میں نے پہلا حج کیا۔ ابراہیم بن سعد سے حدیث لکھی۔ ان کے پیچھے کئی بار نماز پڑھی۔ سن 198 ہجری میں ہم لوگ یمن میں عبدالرزاق کے یہاں تھے۔ سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید خطان کی وفات کی خبر ملی۔ سن 194 ہجری میں بصرہ میں سلیمان بن حرب اور ابوالنعمان عارم اور ابوعمر حوض سے حدیث سیکھی اور اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں جریر بن عبدالحمید کے ہاں رے جاتا۔ میرے بعض ساتھی گئے مگر میں نہ جاسکا۔ کوفہ گیا تو ایسے مکان میں ٹھہرا جس میں اینٹ کا تکیہ تھا۔ وہاں مجھے بخار ہو گیا تو والدہ کے پاس چلا آیا، میں والدہ کی اجازت کے بغیر کوفہ گیا تھا۔ پانچ بار بصرہ گیا۔ پہلی بار رجب سن 186 ہجری میں گیا۔ وہاں

معمر بن سلیمان سے حدیث لی۔ دوسری بار سن 190 ہجری میں گیا۔ تیسری بار سن 194 ہجری میں گیا۔ وہاں یحییٰ بن سعید کے ہاں چھ ماہ ٹھہرا۔ وہاں سے واسط پہنچا۔ وہاں یزید بن ہارون کی خدمت میں پہنچا۔ یہ بات جب یحییٰ بن سعید نے سنی تو انھوں نے کہا:

''احمد بن حنبل یزید بن ہارون کے ہاں کیا کریں گے۔''

مطلب یہ تھا کہ وہ یزید بن ہارون سے علم میں آگے ہیں۔

ابراہیم بن ہاشم کا بیان ہے کہ یزید بن عبدالحمید رے سے بغداد آئے اور بنی مسیب میں ٹھہرے۔ وہاں سے مشرقی بغداد آئے۔ ان دنوں دریائے دجلہ میں خطرناک سیلاب آیا ہوا تھا۔ میں نے احمد بن حنبل سے کہا:

''ہم لوگ اس پار چل کر یزید بن عبدالحمید سے احادیثِ مبارکہ سنیں۔''

جواب میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

''میری ماں مجھے اجازت نہیں دیتی۔ دریائے دجلہ میں سیلاب آیا ہوا ہے۔''

تب میں نے تنہا جا کر ان سے پڑھا۔ یہ سیلاب سن 186 ہجری میں آیا تھا۔ اس وقت ہارون رشید کی طرف سے بغداد کا حاکم سندھی بن شاہک تھا۔ اس نے لوگوں کو دجلہ پار کرنے سے روک دیا تھا۔

یعقوب بن اسحاق بن ابو اسرائیل کا بیان ہے:

''میرے والد اور احمد بن حنبل نے علم حاصل کرنے کے لیے بحری سفر کیا۔ ایسے میں کشتی ٹوٹ گئی تو انھیں ایک جزیرے پر اترنا پڑا۔''

آپ کے صاحب زادے عبداللہ کا بیان ہے:

''میرے والد نے پیدل طرسوس کا سفر کیا۔''

امام صاحب خود بیان کرتے ہیں:

''میں یمن میں ابراہیم بن عقیل کے پاس پہنچا۔ وہ سخت مزاج تھے۔ ان تک رسائی مشکل تھی۔ ان کے دروازے پر ایک دن پڑا رہا، تب ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے مجھ سے صرف دو حدیثیں بیان کیں۔ ان کے پاس اگرچہ بہت سی احادیثیں تھیں، لیکن میں ان کے مزاج کی سختی کی بنا پر ان سے مزید احادیث نہ سن سکا۔

یحییٰ بن یحییٰ کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک یحییٰ بن یحییٰ امام تھے۔ اگر میرے پاس سفر خرچ ہوتا تو میں ان کے ہاں سفر کر کے جاتا۔''

مطلب یہ کہ اس زمانے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے علم حاصل کرنے کے لیے اس قدر سفر کیے جب کہ سفر کرنا آسان کام نہیں تھا۔ سفر پیدل کیا جاتا تھا یا اونٹ اور گھوڑوں پر کیا جاتا تھا۔ بحری سفر بھی عام کشتیوں میں ہوتا تھا اور وہ بالکل محفوظ نہیں تھا۔

احمد بن ابراہیم کا بیان ہے:

''امام احمد بن حنبل عبدالرزاق کے ہاں مکہ سے آئے۔ میں نے انھیں بہت تھکا ماندہ پایا۔ میں نے ان سے کہا، ابوعبداللہ! آپ نے اس سفر میں بڑی مشقت برداشت کی۔ جسم پر تھکن کے آثار ہیں۔''

انھوں نے جواب دیا:

''ہم نے عبدالرزاق سے جو علم حاصل کیا ہے، اس کے مقابلے میں یہ مشقت بہت معمولی ہے۔''

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل نے یحییٰ بن معین کے ساتھ حج کیا۔ امام صاحب نے یحییٰ بن معین سے کہا:

''ان شاء اللہ حج کے بعد ہم لوگ عبدالرزاق کے ہاں صنعاء میں جا کر ان سے حدیث کا سماع کریں گے۔''

امام صاحب کا بیان ہے:

''ہم طواف کر رہے تھے کہ عبدالرزاق طواف میں مل گئے۔ ابن معین انھیں پہچانتے تھے۔ عبدالرزاق طواف اور نماز سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم کے پیچھے بیٹھ گئے۔ ابن معین نے ان کے پاس جا کر سلام کیا اور کہا:

''یہ آپ کے بھائی احمد بن حنبل ہیں۔''

عبدالرزاق بولے:

''ان کے بارے میں مجھے اچھی باتیں معلوم ہیں۔''

اس پر ابن معین نے کہا:

''ان شاء اللہ! ہم کل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر احادیثِ مبارکہ سنیں گے۔''

اس کے بعد عبدالرزاق اٹھ کر چلے گئے۔ تب امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

''آپ نے یہ کیا کیا۔ ان سے درس کا وعدہ کر لیا؟''

یحییٰ بن معین نے جواب میں کہا:

''آپ تو خود ان کے پاس جا کر احادیث سننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صنعاء تک کے لمبے سفر سے بچا لیا۔ سفر خرچ سے بھی بچ گئے۔''

اس پر حضرت امام احمد بن حنبل نے کہا:

''اللہ تعالیٰ مجھے ایسی حالت میں نہ دیکھے کہ آپ کے کہنے سے اپنی نیت خراب کر لوں۔ ہم حدیث ان کے ہاں صنعا جا کر ہی سنیں گے۔''

چنانچہ حج سے فراغت کے بعد امام صاحب نے یمن کا سفر کیا۔ صنعا پہنچے اور

عبدالرزاق سے علم حاصل کیا، حالانکہ اس وقت آپ شدید مالی مشکلات سے دوچار تھے۔ یہ سفر کرنے کے لیے آپ نے ساربانوں کے ہاں مزدوری کی اور پیسے جمع کر کے یہ سفر کیا۔

خود عبدالرزاق کہتے ہیں:

''احمد بن حنبل ہمارے ہاں دو سال تک ٹھہرے۔ ان کی مالی مشکلات دیکھ کر میں نے ان سے کہا، ابو عبداللہ! ہمارے ملک یمن میں تجارت نہیں ہے اور نہ ہی روزی کی فراوانی ہے، یہ کچھ دینار ہیں، ان کو قبول کر لیں، مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔''

یہ واقعہ یاد کر کے عبدالرزاق رو دیا کرتے تھے۔ امام صاحب یزید بن ہارون کے ہاں سخت سردی کے موسم میں گئے۔ مالی مشکلات آڑے آئیں تو اپنا جبہ ایک ساتھی کو دیا اور فرمایا:

''اسے فروخت کر آئیں۔''

اس ساتھی نے اس بات کا ذکر یزید بن ہارون سے کر دیا۔ انھوں نے دو سو درہم آپ کو بھجوائے۔ امام صاحب نے وہ درہم لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''میں ضرورت مند اور مسافر ضرور ہوں مگر میں اپنے آپ کو اس قسم کے ہدیوں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا۔''

اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ سفیان بن عیینہ سے علم حاصل کر رہے تھے کہ کسی نے آپ کے کپڑے چرا لیے۔ جب انھیں چوری کا پتا چلا تو پوچھا:

''میری ان تختیوں کے بارے میں بتاؤ جن پر میں نے احادیث لکھی ہوئی ہیں۔''

انھیں بتایا گیا:

''وہ محفوظ ہیں۔''

اس پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اس واقعے کے بعد آپ کئی دن تک درس کی مجلس میں حاضر نہیں ہوئے۔ ایک ساتھی نے جا کر وجہ پوچھی تو بتایا:

''کپڑے تو چوری ہو گئے... جسم پر جو کپڑے ہیں، وہ پرانے اور میلے ہیں۔''

پھر آپ نے اس ساتھی سے ایک دینار لے کر کپڑے خریدے۔

آپ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ آپ کے علم اور دین داری کا بہت چرچا تھا، ان حالات میں ایک شخص نے آپ کو دیکھا کہ قلم دوات اٹھائے ایک محدث کی درس گاہ کی طرف چلے جارہے ہیں۔ اس نے حیران ہو کر کہا:

''ابوعبداللہ! آپ علم کے لحاظ سے نہایت بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ پھر بھی پڑھنے جارہے ہیں۔''

اس کی بات سن کر آپ نے فرمایا:

''یہ قلم دوات تو قبرستان تک ساتھ جائیں گے۔''

محمد بن اسماعیل صانع کا بیان ہے، ہم ایک مرتبہ بغداد گئے۔ میں نے امام احمد بن حنبل کو اس حال میں دیکھا کہ جوتے ہاتھ میں ہیں اور دوڑے جارہے ہیں۔ میرے والد نے بڑھ کر ان کے کپڑے پکڑ لیے اور پوچھا:

''ابوعبداللہ! کب تک طالب علمی کرتے رہیں گے۔ آپ کو بچوں کی طرح دوڑتے ہوئے شرم بھی محسوس نہیں ہوتی۔''

امام صاحب نے ان کے جواب میں صرف اتنا کہا:

''موت تک۔''

اور آگے بڑھ گئے۔

طالب علمی کے زمانے میں امام صاحب جو حدیث پڑھتے، اس پر عمل بھی کرتے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے یہ حدیث پڑھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور ابوطیبہ حجام کو ایک دینار عنایت فرمایا تو انھوں نے بھی پچھنے لگوائے اور حجام کو ایک دینار

دیا۔

آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ برابر ان کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ امام شافعی کا انتقال ہوگیا۔ ایک مرتبہ آپ کے صاحب زادے نے پوچھا:

''یہ شافعی کون ہیں، میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لیے بہت زیادہ دعا کرتے ہیں۔''

امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

''بیٹے! شافعی دنیا کے لیے آفتاب اور بدن کے لیے صحت کی مانند ہیں۔ کیا ان دونوں چیزوں کا بدل ہوسکتا ہے۔ میں تیس سال سے ان کے لیے دعا اور استغفار کر رہا ہوں۔ ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں قلم دوات اور کاغذ ہے، اس کی گردن پر شافعی کا احسان ہے۔''

محفوظ بن ابو توبہ بغدادی کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں نے امام احمد بن حنبل کو امام شافعی کے درس میں بیٹھے دیکھا تو ان سے کہا:

''اے ابو عبداللہ! ادھر مسجد کے ایک گوشے میں سفیان بن عیینہ درس دے رہے ہیں۔'' (مطلب یہ تھا کہ آپ ان کے درس میں کیوں نہیں بیٹھ رہے) امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

''یہ شافعی نہیں ملیں گے، وہ سفیان مل جائیں گے۔''

قتیبہ بن سعید کہتے ہیں:

''میں احمد بن حنبل کی ملاقات کے لیے بغداد آ گیا۔ وہ یحیٰی بن معین کے ساتھ میرے پاس آئے اور ہم نے حدیث کا مذاکرہ شروع کیا۔ جب تک یہ مجلس جاری رہی۔ احمد بن حنبل کھڑے ہی رہے۔ جب میں کہتا، ابو عبداللہ اپنی جگہ بیٹھ جائیں... تو کہتے، آپ میری فکر نہ

کریں... میں چاہتا ہوں، علم کو اس کے طریقے سے حاصل کروں۔"

آپ نے چالیس سال تک بے شمار اساتذہ سے مسلسل علم حاصل کیا۔ تب کہیں جا کر درس کا اپنا حلقہ قائم کیا اور فتویٰ دینا شروع کیا۔

آپ کا ایک پڑوسی گناہوں میں مبتلا ہو گیا اور گناہ کے کاموں میں بہت آگے بڑھ گیا۔ ایک دن اس نے امام صاحب کی مجلس میں آ کر سلام کیا۔ آپ نے بہت ناگواری سے سلام کا جواب دیا۔ اس پر اس نے کہا:

"ابو عبداللہ! اب آپ کو مجھ سے نفرت نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ میں نے ایک خواب دیکھ کر اپنی زندگی بدل لی ہے۔" امام صاحب نے اس سے پوچھا:

"تم نے کیا خواب دیکھا ہے؟"

اس نے بتایا:

"میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک بلند مقام پر ہیں... اور بہت سے لوگ نیچے بیٹھے ہیں... ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر عرض کرتا ہے، آپ میرے لیے دعا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعا فرماتے ہیں۔ آخر میں نے بھی دعا کرانے کے لیے اٹھنا چاہا، لیکن پھر اپنے گناہوں کا خیال آ گیا۔ شرم کی وجہ سے میں اٹھ نہ سکا، لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مجھ سے فرمایا، تم بھی مجھ سے دعا کے لیے کہو، میں تمھارے لیے دعا کروں گا، کیونکہ تم میرے کسی صحابی کو برا نہیں کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر میں بھی اٹھا، دعا کے لیے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے بھی دعا فرمائی۔ خواب سے بیدار ہوا تو اپنی پچھلی زندگی سے توبہ کر لی۔"

یہ خواب سن کر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اے جعفر! اے فلاں... اے فلاں... اس واقعے کو یاد کر لو... اور لوگوں سے اس

خواب کو بیان کروں۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔"

ابوداؤد کہتے ہیں:

"امام احمدؒ کی مجلس آخرت کی مجلس ہوتی تھی، آپ اپنی مجلس میں کبھی دنیا کا ذکر نہیں کرتے تھے، میں نے انھیں کبھی دنیا کا نام لیتے نہیں سنا۔ دو سو مشائخ سے مل چکا ہوں مگر ان کی مانند کسی کو نہیں دیکھا۔ عوام جن باتوں میں مشغول رہتے ہیں، میں نے انھیں کبھی ایسی باتوں میں مشغول نہیں پایا۔ البتہ جب علمی گفتگو ہوتی تو کھل کر بات کرتے۔"

آپ ہزاروں احادیث کے حافظ تھے اور دماغ علمِ حدیث کا خزانہ تھا۔

اس کے باوجود احادیث کی روایت میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کتاب ہاتھ میں لے کر درس دیا کرتے تھے، اپنے حافظے پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔

ابوزرعہ رازی بیان کرتے ہیں:

"امام صاحب کو ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ آپ کی وفات کے وقت آپ کی کتابیں جمع کی گئیں تو کئی اونٹوں پر لادنے جتنا وزن ہوگیا... لیکن ان کتابوں میں سے کسی کتاب پر یا اس کی پشت پر نہیں تھا کہ فلاں شیخ نے انھیں بیان کیا ہے۔

آپ کے اساتذہ کی تعداد ہزاروں میں پہنچتی ہے۔ ان چند مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

وکیع بن جراح، محمد بن ادریس شافعی (امام شافعی)، معروف کرخی، علی بن مدینی، عبدالرزاق صنعانی، اسماعیل بن علیہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، چچا زاد بھائی حنبل بن اسحاق، بزاز، محمد بن اسماعیل بخاری (امام بخاری)، مسلم بن حجاج نیشاپوری، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی وغیرہ۔

آپ کے فرزند عبداللہ نے آپ سے تیس ہزار احادیث روایت کیں۔ امام صاحب

کے ایک استاد کا تعلق ہمارے ملک کے علاقے سندھ سے ہے۔ ان کا نام ابن علی ہے۔ ان کے دادا سندھ کے تھے۔ آپ کے دو شاگرد بھی سندھی ہیں حبیش بن سندی بغدادی اور ابو بکر سندی خواتیمی بغدادی۔

فقہ اور فتویٰ میں امام احمد بن حنبل کے پانچ اصول ہیں:

(1) نصِ قطعی کے ہوتے ہوئے کسی کے قول کو نہیں لیتے۔

(2) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ جات میں جب آپ کو صحابہ کرام کا ایسا قول مل جاتا ہے جس کے خلاف کسی دوسرے صحابی کا قول نہیں ہے تو اس پر عمل کرتے ہیں۔ کسی دوسرے کے عمل، رائے اور قیاس کو نہیں دیکھتے۔

(3) جب صحابہ کرام کے اقوال مختلف ہوں تو ان میں سے جو قول کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہو، اسے قبول کرتے ہیں اور اگر صحابہ کرام کے مختلف اقوال میں اس کا پتا نہیں چلتا تو اختلاف بیان کر دیتے ہیں اور کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دیتے۔

(4) ان تینوں اصولوں میں جب کوئی صریح بات نہیں ملتی تو پھر ضعیف حدیث کو لیتے ہیں اور اسے قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، یعنی اس صورت میں بھی قیاس نہیں کرتے۔

(5) جب کسی مسئلے میں نصِ قطعی، صحابی کا قول، ضعیف حدیث بھی نہ ملے تو پھر قیاس کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

"ضرورت کے وقت قیاس سے کام لیا جاتا ہے۔"

امام صاحب کے فقہ کی تدوین آپ کی زندگی میں نہیں کی جا سکی... آپ کی وفات کے بعد آپ کے شاگردِ خاص ابو بکر خلال نے جامع الکبیر لکھی۔ یہ بیس جلدوں میں ہے۔ اس میں آپ کے فتاویٰ اور مسائل ترتیب دیے گئے۔ اس کے علاوہ ایک شاگرد حبیش بن سندی

نے دو جلدوں میں آپ کے نادر مسائل جمع کیے۔ امام احمد بن حنبل کے چند اور شاگردوں نے بھی آپ کے فقہ کی تدوین کی۔

آپ کے گھر میں عام طور پر تنگ دستی کا دور دورہ رہتا تھا۔ ان حالات میں کسی نے پانچ سو درہم آپ کو بھیجے، لیکن آپ نے واپس کر دیے۔ ان کے چچا اسحاق کو اس بات کا پتا چلا تو ان سے کہا:

"آپ نے یہ رقم واپس کر دی، حالانکہ گھر میں تنگ دستی ہے۔"

آپ نے اپنے چچا کو جواب دیا:

"چچا! ہم دولت طلب کرتے تو یہ نہ ملتی، چونکہ ہم نے طلب کرنا چھوڑ دیا ہے، اس لیے ہمارے پاس آتی ہے۔"

آپ کے صاحب زادے صالح کہتے ہیں:

"جس دور میں ہم لوگ سخت غربت میں مبتلا تھے، ایک دن والد نماز عصر کے لیے اٹھے۔ میں نے ان کے بیٹھنے کی جگہ سے چٹائی اٹھائی تو ایک خط نظر آیا۔ خط میں لکھا تھا، ابو عبداللہ! مجھے آپ کی تنگ دستی کا حال معلوم ہوا۔ میں فلاں شخص کے ذریعے چار ہزار درہم بھیج رہا ہوں، اس رقم سے قرض ادا کریں اور اپنا کام چلائیں۔ یہ رقم زکوۃ یا صدقہ نہیں بلکہ والد کے ترکے سے مجھے ملی ہے۔

میں نے خط پڑھ کر وہیں رکھ دیا۔ والد گھر آئے تو میں نے پوچھا، یہ خط کیسا ہے۔ یہ سنتے ہی سخت ناراض ہوئے اور کہا، تم اس خط کا جواب اسی وقت لے کر جاؤ۔ پھر اس آدمی کے نام خط لکھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

آپ کا خط پہنچا، ہم لوگ عافیت سے ہیں جس کا قرض ہمارے ذمے ہے، وہ ہمیں تنگ نہیں کرتا اور ہمارے اہل وعیال الحمد للہ اس کے فضل وکرم سے نعمت میں گزر بسر کر رہے

ہیں۔

اس شخص نے وہ رقم پھر واپس بھیج دی۔ والد صاحب نے بھی اسی طرح رقم واپس کر دی۔"

حسن بن عبدالعزیز نے ایک ایک ہزار دینار کی تین تھیلیاں امام صاحب کے پاس بھجوائیں اور کہلوایا:

"یہ رقم حلال ہے، ترکے میں ملی ہے، آپ اسے قبول کرلیں اور اپنے بال بچوں پر خرچ کریں۔"

آپ نے تھیلیاں واپس کردیں اور کہلا بھیجا:

"مجھے ان کی ضرورت نہیں۔"

خلیفہ مامون رشید نے اپنے دربان کو کچھ مال دیا اور اس سے کہا:

"یہ محدثین میں تقسیم کردو کہ یہ حضرات ضرورت مند ہوتے ہیں۔"

امام احمد بن حنبل کے علاوہ جن جن کو اس رقم میں سے دیا گیا ہے، سب نے قبول کرلی، لیکن آپ نے انکار کردیا۔

ایک بار آپ کے استاد یزید بن ہارون نے پانچ سو درہم آپ کے سامنے پیش کیے مگر آپ نے قبول نہیں کیے۔

آپ کے صاحب زادے صالح کہتے ہیں:

"بغداد کے ایک صراف کا لڑکا والد صاحب کی درس کی مجلس میں شریک ہوتا تھا۔ ایک دن آپ نے اسے کاغذ خریدنے کے لیے ایک درہم دیا۔ اس نے کاغذ خرید کر اس میں پانچ سو دینار رکھ دیے اور کاغذ لپیٹ دیا۔ جب آپ کو وہ کاغذ ملے اور آپ نے ان کو کھولا تو دینار گر کر بکھر گئے۔ آپ نے دیناروں کے ساتھ کاغذ بھی لڑکے کے سامنے رکھ کر کہا:

''یہ لے جاؤ۔''

اس پر لڑکے نے کہا:

''کاغذ تو آپ کے درہم سے خریدا گیا ہے۔ یہ تو رکھ لیں۔''

آپ نے وہ کاغذ بھی رکھنے سے انکار کر دیا۔ ابوبکر مروزی کہتے ہیں:

''میں فقر اور محتاجی کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتا۔ میں نے صالحین کی جماعت کو اسی حال میں دیکھا ہے۔ میں نے تو عبداللہ بن ادریس کو دیکھا ہے، بڑھاپے میں ان کے جسم پر ایک جبہ تھا، ابوداؤد کو دیکھا، ان کے جسم پر پھٹا ہوا جبہ تھا جس سے روئی باہر نکل رہی تھی، وہ مغرب اور عشا کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے اور بھوک سے نڈھال تھے۔ مکہ مکرمہ میں ابوایوب بن نجاہ کو دیکھا ہے، وہ دنیا کی خوش حال زندگی بسر کر رہے تھے مگر انھوں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ دیا اور عبادت گزاروں میں رہنے لگے۔

جس زمانے میں امام شافعی بغداد میں تھے اور امام احمد بن حنبل ان کے درس میں شریک ہوتے تھے، خلیفہ ہارون رشید نے امام شافعی سے کہا:

''یمن میں قاضی کی ضرورت ہے۔ آپ کے پاس آنے جانے والوں میں کوئی شخص اس عہدے کے لائق ہو تو بھیج دیں۔''

دوسرے دن امام شافعی حلقۂ درس میں آئے اور امام صاحب سے کہا:

''خلیفہ نے یمن میں قاضی کے عہدے کے لیے مجھ سے بات کی ہے اور آدمی کا انتخاب میری مرضی پر چھوڑا ہے، میں اس کام کے لیے آپ کو مناسب خیال کرتا ہوں۔ تیار ہو جائیں، تاکہ میں آپ کا نام خلیفہ کے سامنے پیش کر سکوں۔''

یہ سن کر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں آپ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرنا چاہتا ہوں اور آپ مجھے مشورہ دیتے ہیں

کہ قاضی کا عہدہ قبول کرلوں۔"

یہ جواب سن کر امام شافعی خاموش ہو گئے۔ایک مرتبہ خلیفہ متوکل کے ہاں گئے۔اس نے اپنی ماں سے کہا:

"امام صاحب کی آمد سے ہمارا گھر روشن ہو گیا ہے۔"

پھر خلیفہ نے آپ کو لباسِ فاخرہ پہنایا۔اس وقت آپ نے رو کر کہا:

"میں عمر بھر ان لوگوں سے بچتا رہا، موت کا وقت قریب آیا تو یہاں آ گیا۔"

پھر آپ نے باہر آتے ہی وہ لباس اتار دیا۔ایک مرتبہ امام صاحب کی والدہ کے پاس کپڑے نہیں تھے۔اسی زمانے میں زکوٰۃ کی رقم آئی۔انھوں نے یہ کہ کر واپس کر دی:

"لوگوں کے مال کے میل سے عریانی بہتر ہے۔تھوڑے دن یہاں رہ کر کوچ کرنا ہے۔"

آپ کے بیٹے صالح کہتے ہیں:

"میں نے اپنے والد کو کبھی میوہ خریدتے نہیں دیکھا۔البتہ تربوز، انگور اور کھجور خرید کر روٹی سے کھا لیا کرتے تھے۔روٹی کے ٹکڑوں سے غبار صاف کر کے ان کو پیالے میں رکھ کر پانی سے تر کرتے اور نمک سے کھا لیتے تھے۔

دوستوں کی ایک جماعت آپ سے ملنے کے لیے آئی۔ان کی خاطر تواضع میں اپنے پاس موجود ساری رقم خرچ کر دی۔خود پندرہ دن تک بہت مشکل سے گزارا کیا۔یہاں تک کہ بغداد سے ان کا خرچ آ گیا۔

آپ رات دن میں تین سو رکعات نفل پڑھتے تھے۔جب آپ کو کوڑے لگائے گئے تو بہت کمزور ہو گئے۔اس حالت میں بھی ڈیڑھ سو نفل دن رات میں پڑھتے تھے۔اس وقت ان کی عمر 80 سال تھی۔روزانہ قرآن کا ساتواں حصہ پڑھا کرتے تھے۔عشا کے بعد

تھوڑی دیر سو کر صبح تک نماز میں مشغول رہتے۔

آپ نے پانچ مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ ان میں سے تین مرتبہ مکہ معظمہ تک پیدل گئے اور آئے۔ ایک مرتبہ حج میں صرف بیس درہم خرچ کیے۔

امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا امتحان خلقِ قرآن کا فتنہ تھا۔ یہ فتنہ برپا کرنے والا شخص قاضی احمد بن ابو داؤد تھا۔ یہ بڑا عالم فاضل تھا۔ معتزلی عقیدے کا مالک تھا۔ خلیفہ مامون کے بہت قریب تھا۔ اس نے خلیفہ مامون کو پٹی پڑھائی کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے۔ اس عقیدے کی اشاعت کی جانی چاہیے اور دراصل یہ یہودیوں کا عقیدہ تھا۔ اسلام سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ اس شخص نے قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ بشر مریسی سے لیا تھا۔ بشر مریسی نے جہم بن صفوان سے، جہم بن صفوان نے جعد بن درہم سے، جعد بن درہم نے ربان بن سمعان سے اور ربان بن سمعان نے لبید بن اعصم یہودی کے بھانجے طالوت سے سیکھا تھا۔ یہ لبید بن اعصم وہی یہودی ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرایا تھا، یہ تورات کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا۔ طالوت بددین اور زندیق تھا۔ سب سے پہلے اس نے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی۔

قاضی احمد کی بات مان کر خلیفہ نے سن 218 ہجری میں پورے عالم اسلام میں سرکاری حکم جاری کر دیا کہ ہر مقام کا امیر اور حاکم اپنے ہاں کے علماء سے اس کا اقرار لے۔ کوئی انکار کرے تو اسے گرفتار کر کے خلیفہ کے دربار میں بھیج دے۔

بغداد کے پولیس آفیسر اسحاق بن ابراہیم کو یہ حکم پہنچا۔ اس نے وہاں کے علماء کو بلا لیا۔ ان میں امام احمد بن حنبل بھی تھے۔ ان کے سامنے مامون کا حکم سنایا گیا اور کہا گیا:

"سب لوگ اقرار کریں کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً کہا:

"قرآن اللہ کا کلام ہے۔"

آپ کے ساتھ تین اور محدثین نے بھی قرآن کو مخلوق ماننے سے انکار کیا۔ اسحاق بن ابراہیم نے انھیں قید میں ڈال دیا۔ دوسرے دن اس نے چاروں کو جیل سے نکلوایا اور کہا:

"اقرار کرلو کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے۔"

ان میں سے ایک نے اقرار کرلیا۔ امام صاحب اور ان کے باقی دو ساتھیوں کو پھر جیل میں ڈال دیا گیا۔ تیسرے دن اس نے تینوں کو بلا کر پھر اقرار کروانا چاہا۔ آج بھی ان میں سے ایک نے اقرار کرلیا۔ اب امام صاحب کے ساتھ صرف ایک ساتھی رہ گئے۔ ساتھی کا نام محمد بن نوح تھا۔ ان دونوں کو حالتِ قید ہی میں طرسوس روانہ کر دیا گیا۔ محمد بن نوح طرسوس کے راستے میں انتقال کر گئے۔ امام احمد بن حنبل نے ان کی تجہیز و تکفین کی۔

ایسے حالات میں ایک دن مامون کا ایک درباری روتا ہوا آپ کے پاس آیا اور بولا:

"ابوعبداللہ! معاملہ بہت سخت ہے۔ مامون نے تلوار نیام سے نکال لی ہے اور قسم کھا کر کہہ رہا ہے، اگر احمد نے خلقِ قرآن کا اقرار نہ کیا تو میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

یہ سن کر امام احمد بن حنبل نے اپنا گھٹنا زمین پر ٹیک دیا اور آسمان کی طرف دیکھا، پھر بولے:

"اے اللہ! اس فاجر کو تیرے حلم نے اتنا مغرور کر دیا ہے کہ اب وہ تیرے دوستوں پر بھی ہاتھ اٹھانے سے باز نہیں آرہا... اے اللہ! اگر قرآن تیرا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے تو مجھے اس پر ثابت قدم رکھ... اور میں اس کے لیے ساری مشقتیں برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

یہ دعا ابھی ختم ہوئی ہی تھی کہ رات کے آخری حصے میں مامون کی موت کی خبر آگئی۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، مجھے یہ خبر سن کر بہت خوشی ہوئی... لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ معتصم کو خلیفہ بنایا گیا ہے اور محمد بن ابی دلؤ داس کا وزیر مقرر ہوا ہے تو صورت حال اور زیادہ خوفناک محسوس ہونے لگی۔

خلیفہ مامون کے بعد معتصم خلیفہ بنا تھا۔ مامون نے اس بارے میں اسے تاکید کی تھی کہ علماء سے یہ مسئلہ منوایا جائے۔ اس نے خلیفہ بنتے ہی حکم دیا کہ ان علماء کو پیش کیا جائے۔

امام صاحب اور ان کے ساتھیوں کو جیل خانے میں ڈال دیا گیا۔ اس حالت میں بھی ان کی بیڑیاں نہ کھولی گئیں۔ امام صاحب بیڑیوں میں رہ کر قیدیوں کی امامت کراتے رہے۔ امام صاحب کو جیل سے نکال کر بھرے دربار میں پیش کیا جاتا۔ معتصم قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں بحث کرتا۔ جب آپ نہ مانتے تو جیل میں بھجوا دیتا۔ آخر اس نے ایک دن کہا:

''اگر آپ نہیں مانیں گے تو پھر آپ کو کوڑے لگوائے جائیں گے۔''

امام صاحب کہتے ہیں:

''اس بات سے میں خوف زدہ ہو گیا... کوڑوں کی سزا میرے لیے خوفناک تھی اور میرا خیال تھا کہ میں برداشت نہیں کر سکوں گا... لیکن انھی حالات میں ایک دن جب خلیفہ نے بات کرنے کے لیے بلایا تو ایک دیہاتی راستے میں آپ کے سامنے آ گیا۔ اس کا نام جابر بن عامر تھا۔ اس نے امام احمد کو سلام کیا اور کہا:

''امام صاحب! آپ کی ذات اس وقت مسلمانوں کے لیے بہت اہم ہے۔ آپ اس وقت مسلمانوں کے نمائندے بن کر بادشاہ کے دربار میں جا رہے ہیں۔ اللہ کے لیے آپ مسلمانوں کو شرمندہ نہ کرائیے گا۔ ہرگز ہرگز خلقِ قرآن کا اقرار نہ کیجیے گا۔ اگر آپ اللہ کو دوست رکھتے ہیں تو صبر کیجیے گا... بس جنت اور آپ میں آپ کے شہید ہونے کی دیر ہے...

اور موت تو بہر حال آنے والی ہے... اگر آپ اس فتنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ کی دنیا اور آخرت دونوں بن جائیں گی۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں میرے دل پر اثر کر گئیں اور میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ خلیفہ کی بات ہرگز نہیں مانوں گا۔

اس کے علاوہ ایک اور واقعہ یہ پیش آیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط ربیع کے ہاتھ امام احمد کی طرف بھیجا۔ ربیع کہتے ہیں:

"جس وقت میں ان کے پاس پہنچا، وہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے۔ میں نے خط انھیں پیش کیا۔" آپ نے پوچھا:

"تم نے اس خط کو پڑھا ہے۔"

میں نے بتایا کہ نہیں، میں نے خط نہیں پڑھا۔ اب آپ نے خط کھول کر پڑھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا:

"میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ احمد کو میرا سلام کہو... اور انھیں اطلاع دو کہ عن قریب خلقِ قرآن کے مسئلے میں ان کی آزمائش ہو گی... خبردار خلقِ قرآن کا اقرار نہ کریں... اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان کے علم کو قیامت تک برقرار رکھیں گے۔"

خط پڑھ کر امام احمد رونے لگے۔ پھر اپنا کرتا اتار کر مجھے دیا۔ میں اسے لے کر مصر واپس آ گیا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سفر کے حالات بیان کیے۔ اس کے کرتے کا بھی ذکر کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا:

"میں وہ کرتا تو تم سے نہیں مانگتا... ہاں اتنا کرو کہ اسے پانی میں تر کر کے، وہ پانی مجھے

دے دو... تاکہ میں اس سے برکت حاصل کروں۔" (بیہقی)

ان واقعات سے آپ کو بہت حوصلہ ملا۔ آپ کو 18 ماہ تک قید میں رکھا گیا۔ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔ اسی حالت میں آپ قیدیوں کی امامت کرتے رہے۔ آخر 18 ماہ بعد اور بعض روایات کے مطابق تیس ماہ بعد آپ کو قید خانے سے نکال کر معتصم کے سامنے لایا گیا۔ بھاری بیڑیوں کی وجہ سے آپ کے لیے چلنا حد درجے دشوار ہو رہا تھا۔ امام صاحب فرماتے ہیں:

"اس وقت حالت یہ تھی کہ بیڑیوں کو ازار بند سے باندھا اور ہاتھوں سے اٹھا کر کچھ دور تک چلا، پھر سواری لائی گئی۔ کوئی سواری پر بیٹھنے میں مدد دینے کو تیار نہیں تھا، خود ہی ہزار دقت کے ساتھ سوار ہوا۔ اس طرح دار الخلافہ لایا گیا۔ یہاں ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرے میں چراغ تک نہیں تھا۔ وضو کی ضرورت پیش آئی تو اندھیرے میں ٹٹو لنے لگا۔ ایک کونے میں پانی کا برتن مل گیا۔ اس سے وضو کیا۔ نماز کے لیے اس طرح کھڑا ہوا کہ قبلے کی سمت معلوم نہیں تھی۔ پھر دن نکلنے پر مجھے معتصم کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابن ابی داؤد بھی موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا:

"امیر المومنین! میرا تو خیال تھا، یہ کوئی جوان آدمی ہوگا۔ یہ تو ادھیڑ عمر معلوم ہوتا ہے۔"

پھر میں معتصم کے قریب چلا گیا۔ اس نے اور نزدیک ہونے کے لیے کہا، میں اور نزدیک ہو گیا اور سلام کیا۔ اس کے بعد میں نے کہا:

"امیر المومنین! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس چیز کی طرف دعوت دی تھی؟"

معتصم نے کہا:

"لا الہ الا اللہ کی طرف۔"

میں نے کہا:

''تو میں گواہی دیتا ہوں، اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔''

اب اس نے پوچھا:

''قرآن کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟''

میں نے جواب دیا:

''قرآن اللہ کا کلام ہے جس نے اللہ کے کلام کو مخلوق کہا، اس نے کفر کیا۔''

اس پر سارے درباری طیش میں آگئے اور بول اٹھے:

''اس نے ہم سب کو کافر کہا ہے۔''

معتصم نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ اب معتزلی گروہ نے آپ سے سوالات شروع کیے۔ آپ ہر سوال کا مکمل جواب دیتے رہے۔

تمام دن سوالات اور جوابات ہوتے رہے... آخر بات دوسرے دن پر گئی... دوسرے دن پھر سوالات شروع ہوئے... وہ دن بھی گزر گیا... پھر تیسرے دن مناظرہ شروع ہوا... آپ کی ایک اکیلی آواز سب پر بھاری رہی... ادھر معتصم ان سے بار بار یہ کہہ رہا تھا:

''احمد! تم میرے مسلک کی تائید کرو، میں تمہیں اپنا خاص مقرب بناؤں گا۔ پھر تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جن کو میرے اس قیمتی فرش پر چلنے کا فخر حاصل ہے۔''

اس کے جواب میں آپ یہی فرماتے:

''نہیں! میں اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول سے اس کی دلیل چاہتا ہوں۔''

ادھر معتزلیوں نے دیکھا، امام ان کے سوالات کی زد میں بالکل نہیں آ رہے تو معتصم سے کہنے لگے:

''امیر المومنین! یہ شخص کافر ہے، گمراہ ہے، اسے ضرور سزا ملنی چاہیے، اگر اسے چھوڑ دیا

گیا تو یہ بات خلافت کے خلاف ہوگی۔ پھر آپ کی کیا عزت رہ جائے گی۔''

معتصم کا اپنا ذہن معتزلی تھا۔ اپنے درباریوں کی باتیں سن کر اس نے سخت لہجے میں کہا:

''اللہ تیرا برا کرے، میں نے تو تجھے اپنی طرف لانے کی پوری کوشش کی تھی، لیکن تو بہت ضدی اور ناسمجھ نکلا۔''

پھر اس نے حکم دیا:

''اسے کوڑے لگائے جائیں۔''

تب میرے دونوں ہاتھ باندھ دیے گئے۔ کوڑے مارنے والے نزدیک آئے تو میں نے معتصم سے کہا:

''امیر المومنین! اللہ اللہ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات کے ہوتے ہوئے میرا خون حلال کیا جارہا ہے، کیا میں مسلمان نہیں ہوں... قیامت کے دن آپ میرے اس خون کا حساب کیسے دیں گے؟''

میری یہ باتیں سن کر معتصم بہت متاثر ہوا اور قریب تھا کہ مجھے چھوڑ دینے کا حکم دے دیتا، لیکن شریر لوگوں کی جماعت نے بھی یہ بات بھانپ لی۔ وہ پکار اٹھے:

''امیر المومنین! یہ شخص بدترین گمراہ ہے... سزا ضرور ملنی چاہیے۔''

آخر کوڑے مارنے والوں نے کوڑے مارنا شروع کیے۔

جب پہلا کوڑا پڑا، میں نے کہا، بسم اللہ! دوسرا کوڑا مارا گیا تو میں نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ تیسرا کوڑا مارا گیا تو میں نے کہا، القرآن کلام اللہ!

ادھر کوڑے مارنے والے کہتے تھے:

''اللہ تمھارا برا کرے، اپنی نافرمانی کا بدلہ چکھو۔''

مجھے یہاں تک کوڑے مارے گئے کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ کوڑے روک دیے گئے...

ہوش آیا تو معتصم نے کہا:

"اب بھی میرا کہا مان لو، میں تمہیں رہا کردوں گا۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا تو کوڑے پھر برسنے لگے۔ غرض خلیفہ نے بار بار کوڑے لگوائے... آخر میں پھر بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو ایک کوٹھری میں بند تھا۔ یہ واقعہ 25 رمضان المبارک سن 221 ہجری کا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے مجھے میرے گھر پہنچانے کا حکم دیا:

کہا جاتا ہے... آپ کو اسّی کے قریب کوڑے لگائے گئے۔ آپ کو گھر کی طرف لے جایا گیا تو راستے میں آپ اسحاق بن ابراہیم کے ہاں بھی ٹھہرے۔ آپ روزے سے تھے۔ کھانے کے لیے ستو وغیرہ لایا گیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ اسی تکلیف کی حالت میں روزہ پورا کیا۔ ظہر کی نماز بھی جماعت سے پڑھی۔ کسی نے اشکال کیا:

"آپ نے خون بہنے کی حالت میں نماز پڑھی ہے؟"

آپ نے جواب دیا:

"ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی حالت میں نماز پڑھی تھی کہ ان کے زخم سے خون فوارے کی طرح نکل رہا تھا۔ کوڑے لگنے کے وقت کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ کا ازار بند کھل گیا تھا اور آپ کو بے ستر ہونے کا خوف لاحق ہو گیا تھا، چنانچہ آپ نے ان الفاظ میں دعا فرمائی تھی:

"اے اللہ! اگر یہ مشقت میں حق کے لیے برداشت کر رہا ہوں تو میری ستر پوشی فرما۔"

آپ کی اس دعا کی وجہ سے پاجامہ سرک کر اپنی جگہ پر آ گیا اور بدن سے چمٹ گیا۔

جراح نے آپ کا علاج کیا اور آپ تندرست ہو گئے، لیکن ان زخموں کی تکلیف موسم سرما میں عود کر آتی تھی۔ وفات تک یہ صورت رہی۔ آپ نے معتزلہ کے سوا سب کے قصور

معاف کر دیے۔ انھیں اس لیے معاف نہ کیا کہ وہ اہلِ بدعت تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''اپنے کسی مومن بھائی کو اپنے لیے تکلیف دینا اچھا نہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے کے لیے بلائے گا تو وہی شخص پہلے جائے گا جس نے دنیا میں کسی کا قصور معاف کیا ہوگا۔''

آپ کے ساتھ یہ حضرات بھی اسی مسئلے میں ڈٹے رہے اور شہادت پائی:

محمد بن نوح نیشاپوری، نعیم بن حماد خزاعی، ابو یعقوب بویطی۔

پھر آپ نے معتصم کو بھی معاف کر دیا۔ معتصم کے بعد واثق خلیفہ تھا، یہ بھی معتزلی تھا۔ اس نے بھی اس مسئلے پر علماء کو جمع کیا اور خلقِ قرآن کے مسئلے میں انھیں مشکل میں ڈالا، لیکن امام احمد بن حنبل کو اس نے نہیں چھیڑا۔ وہ جانتا تھا کہ انھیں ستانے کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ البتہ اس نے امام صاحب کو یہ پیغام بھیج دیا کہ آپ اس شہر میں نہ رہیں، چنانچہ امام صاحب واثق کے دور میں روپوشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

واثق کے بعد متوکل خلیفہ ہوا۔ اس نے اس فتنے کو ختم کیا اور علماء کو ہدایت کی کہ درس و تدریس کی مجلس قائم کریں اور معتزلہ اور اس جیسے دوسرے فرقوں کا رد کریں۔

امام صاحب نے سن 241 ہجری میں وفات پائی۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ آپ نو دن بیمار رہے، لوگ گروہ در گروہ ملنے کے لیے آتے رہے۔ بیماری کی خبر جوں جوں پھیلتی گئی... لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا... زیارت کے لیے آنے والوں کی بھیڑ مسجدوں اور گلیوں میں جمع ہونے لگی... خرید و فروخت میں خلل پڑنے لگا... لوگ دیوار پر چڑھنے لگے...

وفات سے ایک دن پہلے آہستہ آواز میں کہا:

''بچوں کو میرے سامنے لاؤ۔''

بچے ایک ایک کر کے آپ کے سامنے جاتے رہے، آپ ان کے سروں پر ہاتھ

پھیرتے رہے۔اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے:

جمعہ کی صبح آپ کی وفات کی خبر پھیلی تو لوگ رونے لگے۔نمازِ جمعہ کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔اس قدر ہجوم تھا کہ میدان کے علاوہ لوگوں نے دریائے دجلہ میں کشتیوں پر، بازاروں میں، گلیوں میں، نمازِ جنازہ پڑھی۔اندازہ لگایا گیا کہ چھ لاکھ سے زیادہ لوگ تھے اور مختلف مقامات پر جو لوگ تھے، ان کا شمار ہی نہیں کیا جاسکا۔انتقال کے وقت آپ کی عمر 77 سال تھی۔

امام صاحب نے چالیس سال کی عمر میں پہلی شادی کی تھی۔بیوی کا نام عائشہ بنتِ فضل تھا۔ان سے آپ کے ہاں ایک صاحبزادے پیدا ہوئے۔ان کا نام صالح تھا۔ان کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی۔ان سے دوسرے صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے۔ ایک باندی سے بھی آپ نے نکاح کیا تھا۔ان سے بھی اولاد ہوئی۔

صالح جو امام صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔اصفہان کے قاضی بنے۔

آپ کی تصانیف میں سے چند کے نام یہ ہیں: مُسندِ امام احمدؒ، کتاب التفسیر، کتاب الناسخ والمنسوخ، کتاب التاریخ، کتاب المناسک الکبیر، کتاب المناسک الصغیر، آپ کی سب سے مشہور تصنیف مسند امام احمد ہے۔اس میں تقریباً تیس ہزار احادیث ہیں:

آپ کے بعض حکیمانہ اقوال درج ذیل ہیں:

- وہ شخص کس قدر خوش قسمت ہے جس کے حصے میں اللہ تعالیٰ گمنامی دیدیں۔
- ایسے شخص سے علم حاصل نہ کرو جو علم کے بدلے دنیا کا طالب ہو۔
- اہلِ بدعت سے صاف صاف کہدو کہ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی تعلق نہیں۔
- جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام اور سنن واحکام میں

احادیث کی روایت کرتے ہیں تو سندوں اور راویوں کے بارے میں شدت سے کام لیتے ہیں اور اعمال کی فضیلت والی احادیث کی سندوں میں نرمی سے کام لیتے ہیں۔

○ دنیا کا کم حصہ کافی اور زیادہ حصہ نا کافی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

○○